اصلاحی دروس

افادات
پیر طریقت رہبر شریعت
حضرۃ مولانا عبدالواحد صاحب نور اللہ مرقدہ

ترتیب و تزئین
عاصم عبداللہ

تکبر و غرور کا خوفناک انجام
تقویٰ کے برکات و ثمرات
وعدہ خلافی ایک سنگین گناہ
امانت کی اہمیت اور ہماری کوتاہیاں
صدقہ کے فضائل و برکات
عشرہ ذی الحجہ کے فضائل و احکام

کرمی دار الکتب کراچی

اصلاحی دروس

اللهم

بارك على محمد وعلى آل محمد

كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم

انك حميد مجيد

بسلسلہ مشکوٰۃ نبوتؐ

اصلاحی دروسؒ (جلد پنجم)

افادات

پیر طریقت رہبر شریعت
حضرۃ مولانا عبدالواحدؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تلمیذ رشید
شیخ الاسلام حضرۃ مولانا حسینؒ احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز
مرشد المؤمنین قطب الاقطاب حضرۃ مولانا حماد اللہ ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب وتزئین
عاصم عبداللہ

کرامی دار الکتب کراچی
جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی 2 کراچی 75230
0333-2124384

نام کتاب:۔ اصلاحی دروس (جلد پنجم)

افادات حضرۃ مولانا عبد الواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب وتزئین حضرت مولانا مفتی عاصم عبداللہ صاحب

باہتمام:۔ عاصم برادران سلمہم الرحمٰن

صفحات:۔ 368

سن طباعت:۔ مارچ 2019

تعداد:۔ 1,100

قیمت:۔

کرامی دار الکتب کراچی

جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی 2 کراچی 75230
0333-2124384
asim@JamiaHammadia.com
www.JamiaHammadia.com

اجمالی فہرست

اصلاحی دروس (جلد پنجم)

اظہار تشکر

میں سب سے پہلے شکر گزار ہوں اپنے پروردگار کا کہ جس نے اپنے فضل وکرم سے والد ماجد حضرت مولانا عبدالواحد صاحب قدس اللہ سرہ (خلیفہ مجاز حضرت مولانا حماد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ وبانی ومہتمم جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی) کے بیانات جو مختلف موضوعات پر مشتمل ہیں، رسائل کی شکل میں شائع ہو رہے ہیں۔ اب ان رسائل کو کتابی شکل میں شائع کرنے کی توفیق عطا فرمائی اس کی جلد دوم آپ کے ہاتھوں میں ہے، اللہ تعالیٰ اسے اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور نافع بنائے۔

پھر میں خصوصی شکر گزار ہوں استاد العلماء، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب دامت برکاتہم (خلیفہ مجاز پیر طریقت حضرت مولانا عبدالواحد صاحب قدس سرہ) کا جنہوں نے اس کام میں میری بہت حوصلہ افزائی فرمائی اور ہر موقع پر مفید مشوروں سے نوازا، اللہ تعالیٰ حضرت کے سایہ کو تادیر ہمارے اوپر قائم رکھے آمین۔

آخر میں میں اپنے ان محبین ومخلصین دوستوں کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت میں کسی بھی طور پر شریک ہوئے اور میرے ساتھی ومعاون بنے، اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل اور ان کے اموال میں برکت عطا فرمائے۔

محتاج دعا: عاصم عبداللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفصیلی فہرست

تقویٰ کے برکات وثمرات

وعدہ خلافی ایک سنگین گناہ

امانت کی اہمیت اور ہماری کوتاہیاں

صدقہ کے فضائل وبرکات

عشرہ ذی الحجہ کے فضائل و احکام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دل کی بات

عاصم عبداللہ بن حضرت مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

میرے والد ماجد حضرت مولانا عبدالواحد صاحب قدس اللہ سرہ ملک اور بیرون ملک کی ایک جانی پہچانی علمی اور روحانی شخصیت تھے، اور ملک کی مشہور دینی درسگاہ ''جامعہ حمادیہ'' شاہ فیصل کالونی کراچی کے بانی و مہتمم کے علاوہ کئی مدارس و مساجد کے سرپرست بھی رہے بحمد للہ اہل علم میں ایک خاص مقام تھا۔

حضرت والد صاحبؒ کا شمار شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد خاص اور قطب الاقطاب حضرت حماد اللہ ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز اور اخص الخاص خلفاء میں ہوتا ہے۔

حضرت والد صاحبؒ جب تک اس دنیاء فانی میں رہے تواضع اور اخفاء کے ساتھ رہے لیکن اس کے باوجود کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے عزت، شہرت اور مقبولیت کی بلندیوں پر فائز فرمایا ہوا تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو درس قرآن اور درس حدیث اور دیگر اصلاحی موضوعات

پر بیان کا ایک خاص ملکہ عطا فرمایا ہوا تھا، آپ کا یہ بیان جامعہ حمادیہ میں ہو یا جامع مسجد حفیظیہ میں یا علاقے اور شہر کی کسی مسجد میں ہو، یا کسی عام جگہ پر ہو لوگ دور دور سے ان بیانات کو سننے کیلئے آتے تھے۔

آپ کے یہ بیانات عوام اور خواص دونوں کے لئے تریاق ثابت ہوا ہے اور اس سے سینکڑوں لوگوں کی زندگی میں نمایاں تبدیلیاں آئیں جن کے چہروں پر داڑھیاں نہ تھیں انہوں نے سنت کے مطابق داڑھی رکھ لی اور حرام آمدن والوں نے حلال ذرائع آمدن اپنا لئے، جن کا گھریلو ماحول بے دینی کا تھا، انہوں نے اپنے گھروں میں دینی ماحول پیدا کرنے کی کوشش شروع کردی اور اپنے بچوں کو دینی تعلیم وتربیت دینی شروع کردی۔

حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہ کی بات سننے والوں کے دل میں اترتی چلی جاتی تھی سننے والا اپنے اندر ایمانی حلاوت محسوس کرتا تھا حضرت والد صاحبؒ کے بیانات میں جو تاثیر تھی اور جو خیر و برکت تھی اسکی ایک وجہ تو حضرت والد صاحبؒ کی للٰہیت اور خلوص تھا اور دوسری وجہ الفاظ میں نہ کوئی تصنع اور نہ کوئی بناوٹ سہل ترین الفاظ آپکے بیانات کا حصہ ہوتے تھے۔

بعض احباب حضرتؒ کی ان تقاریر کو کیسٹ میں محفوظ کر کے مستفید ہوتے رہے الحمد للہ ان کیسٹوں کا خاطر خواہ ذخیرہ محفوظ ہے، جسے

کمپیوٹر میں بھی محفوظ کیا جا چکا ہے، اوراب بحمداللہ اصلاح وتربیت کا یہ عظیم خزانہ کاغذوں پر بھی منتقل کیا جارہا ہے۔

جب یہ تحریری افادات سینکڑوں صفحات میں محفوظ ہوگئے تو حضرت والد صاحب نوراللہ مرقدہ کے بہت سے قریبی احباب نے باصرار مشورہ دیا کہ ان افادات کو جومختلف موضوعات پر ہیں عنوانات کے تحت مرتب کر کے رسائل کی صورت میں شائع کیا جائے، تاکہ ان کا فائدہ عوام الناس کو پہنچے، مجھے انکی رائے بہت پسند آئی، پھراس پر دلجمعی کے ساتھ کام شروع کردیا گیا۔

بحمداللہ ہرسال تقریباً پانچ سے چھ کتابچے تیار ہوکر چھپ کر منظر عام پرآ جاتے ہیں، متعدد کتابچے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی حیات میں اول تا آخر خود ملاحظہ فرمائے، خوشی اور مسرت کا اظہار فرمایا، دل سے پرخلوص دعاؤں سے نوازا، وہی دعائیں آج میری زندگی کا اثاثہ ہیں۔

فی الحال حضرت نوراللہ مرقدہ کے درسِ حدیث کے سلسلے ''مشکوٰۃ نبوت'' کو جو ماہنامہ الحماد میں ہرماہ شائع ہوتا رہا موضوع کی مناسبت سے ''کریمی دارالکتب'' کی طرف سے اِسے کتابچے شکل میں پیش کیا جارہا ہے۔ بحمداللہ اب تک تین درجن سے زائد کتابچے شائع ہو چکے ہیں جو لوگوں کی اصلاح کا ذریعہ بن رہے ہیں۔

اب محبین و مخلصین کے اصرار پر ان مطبوعہ رسائل کے مجموعہ کو کتابی شکل میں بنام "اصلاحی دروس" شائع کر رہے ہیں، بحمداللہ تین جلدیں شائع ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں، اور اب اس کی جلد چہارم پیشِ خدمت ہے۔ پانچویں جلد کے لئے بھی کام شروع کر دیا گیا ہے۔ جس کی تکمیل کیلئے خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے۔

اللہ تعالیٰ امت کو اس مفید سلسلے سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونیکی توفیق عطا فرمائے، اور ہماری مغفرت ونجات اور حضرت والد صاحب قدس اللہ سرہ کے بلندیٔ درجات کا ذریعہ بنائے اور صدق واخلاص کے ساتھ اس سلسلے کو آگے بڑھانے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

عاصم عبداللہ

استاد ومفتی جامعہ حمادیہ کراچی

۱۴ر جمادی الثانی ۱۴۴۰ھ

مطابق ۲۱ر مارچ ۲۰۱۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقشِ تحریر

استاد العلماء والمشائخ، شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب دامت برکاتہم

مہتمم جامعہ باب الاسلام ٹھٹہ سندھ

خلیفہ مجاز

حضرت اقدس، ولی کامل، پیر طریقت حضرت مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حامداً ومصلیاً ومسلماً

امابعد!

ہمارے شیخ، مرشد الأمہ، مصلح الکل، فنافی اللہ پیر طریقت رہبر شریعت حضرت اقدس مولانا عبدالواحد رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً ونور اللہ مرقدہ کی پوری زندگی اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے عشق ومحبت، کتاب وسنت کی اتباع واطاعت علوم دینیہ کی نشر واشاعت اور اصلاح امت کے لیے وقف تھی۔ سفر میں، حضر میں، مسجد میں، دفتر میں، گھر میں، عوام میں، خواص میں، خلوت میں، جلوت میں الغرض ہر حال و ہر مقام

پر کتاب وسنت پر عمل خلقت الٰہی کی کتاب وسنت کی طرف رہنمائی دین کی نشرواشاعت اور قرآن وحدیث کی تفسیر تشریح وتوضیح آپؒ کا محبوب وحسین شغل تھا. شہرت جاہ، ریا اور دکھلاوے سے شدید نفرت اور گمنامی تواضع، انکساری سے رغبت کی وجہ سے آپؒ کے فیض ومعرفت کو عام کرنا اور مشہور کرنا آپؒ کی حیات طیبہ میں محال ونا ممکن اقدام تھا۔

آپؒ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے حضرت مولانا مفتی عاصم عبداللہ صاحب زیدمجدھم وبورک فی عِلمھم وَعَملم استاذ ومفتی جامعہ حمادیہ (جو علم وعمل میں آپؒ کی ہو بہو تصویر اور آپؒ کی حسن تربیت کے حسین شگوفے، ونمونے ہیں۔ آپؒ کے شرعی وقانونی وارث وجانشین ہیں) نے **1995**ء سے آپؒ کی مشروط ومحدود اجازت کے ساتھ آپؒ کے درسِ قرآن درسِ حدیث، جمعے کے بیانات اور اصلاحی مجالس کے مواعظ وتقاریر کو محفوظ کرنے اور مضامین کے شکل میں ماہنامہ الحماد، اور مستقل رسائل کی زینت بنانے کے کارخیر کا آغاز فرمایا۔ حضرتؒ نے محتاط طریقہ سے بذات خود نظر ثانی فرمانے کے بعد شہرت سے نفرت اور ریا کے خوف سے محدود حد میں اجازت عنایت فرمائی، حضرتؒ کے وصال کے بعد مکمل اتفاق ومشاورت اور میرے شدید اصرار کے تحت حضرت مفتی صاحب زید مجدھم کو آپؒ کی

مسند خلافت تفویض ہوئی اس کے بعد سے ہر ملاقات میں حضرت مفتی صاحب پر یہ بارگراں اور یہ ذمہ داری ان کے دوش پر ڈالنے کی تاکید کرتا رہا ہوں کہ آپ نے حضرتؒ کے علوم وفیوض کو جاری وساری رکھنا ہے اور جو سلسلہ 1995ء میں سنبھالا اور شروع کیا اسے کماحقہ حیاو میتاً باقی رکھنا ہے۔

سلسلے کے تمام معمولات اور حضرتؒ کی حیات کے تمام مشاغل وفیوضات کی بھاری ذمہ داری کے ساتھ آپؒ کے فیوض وعلوم کی امت میں نشر واشاعت میں پہلے سے بھی بڑھ چڑھ کر قدم اٹھانا ہے اور آگے بڑھتے جانا ہے۔ ہماری دعائیں، محنتیں، وسائل اور مشورے آپ کے ہمقدم ہونگے ان شاءاللہ تعالیٰ

انتہائی خوشی ومسرت اور حمد وشکر کا مقام ہے کہ حضرت مفتی صاحب زید فضلہم نے سلسلے کے معمولات کو کماحقہ جاری رکھنے کے ساتھ ساتھ حضرت اقدسؒ کے علوم وفیوض کے سلسلہ درسِ حدیث بعنوان ''مشکوٰۃ نبوت'' کے متعدد کتب ورسائل کو حتمی طباعتی مراحل میں لے آئے ہیں۔ الحمدللہ! اس وقت تک سلسلہ مشکوٰۃ نبوت کی دو جلدیں چھپ کر منظر عام پر آچکی ہیں۔ کتب ورسائل چھپ کر منظر عام پر آچکے ہیں۔ اب حضرت مفتی صاحب زید فضلہم انہیں مطبوعہ رسائل مجموعہ

کو کتابی شکل میں اصلاحی دروس کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔ بحمداللہ امسال گزشتہ اصلاحی دروس کی پہلی اور دوسری جلد شائع ہو چکی ہے، جو عوام وخواص کے حلقوں میں بہت مقبول ہوئیں۔

پہلی جلد میں حضرت قدس اللہ سرہ کے درج ذیل دروس حدیث شامل ہیں۔

(۱) ایمان زندگی کے لئے ناگزیر ضرورت

(۲) ایمان کامل کے تقاضے

(۳) رمضان المبارک کی اہمیت، آداب و معمولات

(۴) تجلیاتِ ذکر

(۵) دُعا، دنیا و آخرت کی کامیابی کا زینہ ہے

اور

دوسری جلدیں جلد میں درج ذیل دروسِ حدیث ہیں۔

(۱) معاشرت زندگی کے سنہرے اصول

(۲) بدامنی اور خون ریزی اسلام کی روشنی میں

(۳) اسلام اور عدل و انصاف

(۴) دنیا کی حقیقت اور اعمال کی ضرورت

(۵) اسلام کے معاشرتی حقوق

(۶)درود شریف کے فضائل وبرکات

اوراب حضرت مفتی صاحب زید فضلہم بحمداللہ اصلاحی دروس کی تیسری اور چوتھی جلد ہدیہ قارئین کررہے ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب کوخوب خوب جزائے خیر عطا فرمائے۔آمین

(۱)اتباع سنت اورراہِ نجات

(۲)اتباع سنت اورصحابہ کرامؓ

(۳)اسلامی آدابِ زندگی

(۴)معاشرتی زندگی کے اسلامی آداب

(۵)عظمتِ قرآن اورآدابِ تلاوت

چوتھی جلد حضرت والاؒ کے درج ذیل دروس پر مشتمل ہے۔

(۱) گناہوں سے توبہ کیجئے

(۲)استغفار کےفوائدوبرکات

(۳)اچھے اخلاق اپنایئے

(۴)جمعہ کی اہمیت،فضیلت آدابِ اور معمولات

(۵)تواضع وانکساری کےفوائدوبرکات

پانچویں جلد حضرت والاؒ کے درج ذیل دروس پر مشتمل ہے۔

(۱)تکبر وغرور کا خوفناک انجام

(۲)تقویٰ کی برکات وثمرات

(۳)وعدہ خلافی ایک سنگین گناہ

(۴)امانت کی اہمیت اور ہماری کوتاہیاں

(۵)صدقہ کے فضائل وبرکات

(۶)عشرۂ ذی الحجہ کے فضائل واحکام

اللہ تعالیٰ حضرت والاقدس اللہ سرہ کے قیمتی دروس سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

ہماری دعا یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت کے جانشین وخلیفہ مجاز کی حیثیت سے حضرت مفتی صاحب کے علم وعمل اور صلاحیتوں میں ترقی نصیب فرمائے۔

اللھم وفقه لماتحب وترضیٰ من القول والفعل والعمل والنية والاخلاص.

محمد ابراہیم عفی اللہ عنہ

حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب دامت برکاتہم

شیخ الحدیث ومہتمم

جامعہ باب الاسلام ٹھٹھہ

۱۴رجمادی الثانی ۱۴۴۰ھ

بمطابق ۲۱ رمارچ ۲۰۱۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال وتاثرات

پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت حضرت مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ
بانی ومہتمم جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی کراچی
(جو حضرتؒ نے اپنی زندگی میں تحریر فرمایا تھا)

اللہ جل شانہٗ کا فضل وکرم، انعام اور احسانِ عظیم ہے کہ اُس ذاتِ عالی نے بچپن سے دینی ماحول، اور ایمانی مراکز سے میرا رشتہ ناطہ جوڑا، غربت میں رکھا، غریب الوطنی میں پھینکا، تن من دھن کی آسائشوں سے دور رہا مگر علمِ دین اور دولت ایمان سے آباد جھونپڑی نما خانقاہوں اور مراکزِ تعلیم سے وابستہ رکھا۔ جہاں مادّی وسائل اور آسائشیں نہ ہونے کے باوجود روحانی خوشحالی، سکون اور طمانیت کی وہ دولت میسر تھی جس کے لئے دنیا کے عظیم بادشاہ بھی ترستے اور تڑپتے چلے گئے۔

(والحمدللہ علی ذالک)

دارالعلوم دیوبند سے علمی سفر طے کرتے ہوئے جب ارضِ پاک میں داخل ہوا تو صوبہ سندھ کے ایک دورافتادہ، پسماندہ، گمنام بلکہ بے نام علاقہ ھالیجی شریف کے مقام پر قطب الاقطاب ولی کامل، جنیدِ

دوران حضرت مولانا حماد اللہ ھالیجوی قدس اللہ سرہ العزیز کی قدموں میں جگہ ملی۔ جہاں کے چشمۂ فیض سے سیرابی کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس قابل بنادیا کہ اپنی اور اپنی اولاد کی زندگی دین کی خدمت اور دینی تعلیمات کی اشاعت کے لئے وقف ہوگئی۔

الحمدللہ زندگی کے اس دورانیئے میں جامع مسجد حفیظیہ میں درسِ قرآن ودرسِ حدیث اور اصلاحی مجلسوں اور نماز جمعہ سے قبل بیان کا سلسلہ اس کے علاوہ جامعہ حمادیہ اور علاقے کی دیگر مساجد میں بھی یہ تمام سلسلے جاری رہے، جسے بعض مخلص احباب نے اسے ٹیپ کیا اور پھر ان ٹیپ شدہ تقریروں اور بیانات کو قلم بند کروایا ،اور پھر جب سے جامعہ حمادیہ کا ترجمان ”ماہنامہ الحماد“ کا اجرا ہوا تقریباً دو عشروں سے ماہنامہ الحماد کے کے صفحات پر ان دروس کو مستقل طور پر درسِ قرآن کو (نور ہدایت) اور درسِ حدیث کو (مشکوٰۃ نبوت) کے عنوان سے شائع کیا جارہا ہے۔

اور اب ضرورت اور اسکی افادیت کو محسوس کرتے ہوئے برخوردار مفتی عاصم عبداللہ سلمہ استاذ ومفتی جامعہ حمادیہ ودیگر متعلقین نے ”الحماد“ کے صفحات پر شائع شدہ ان مضامین کو کتابچے کی شکل میں شائع کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہے کئی کتابچے شائع ہوکر لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ چکے ہیں جو میری نظروں سے بھی گزرے ہیں دیکھ کر بہت خوشی

ہوئی کہ ماشاء اللہ برخوردار اور انکے معاونین نے بڑی محنت کی ہے
اور ان مضامین میں ذیلی عنوانات لگا کر اسکی افادیت کو بڑھا دیا ہے
مقصود فائدہ اور استفادہ ہے، مجھے اور شایع کنندگان کو دین کی تبلیغ
اور نشر و اشاعت کا فائدہ ملے گا اور پڑھنے اور مستفید ہونے والوں
کو اپنی زندگی دین و شریعت کے مطابق ڈھالنے اور اللہ کی رضا حاصل
کرنے کا عظیم ثمرہ حاصل ہوگا!

دعا ہے کہ جیسا کہا ہے اور نیت کی ہے اللہ تعالیٰ ایسا ہی معاملہ فرما دیں
اور ہم سب کو اپنی رضا اور اخروی سرخروئی کی دولت مرحمت فرما دیں، اور اللہ
تعالیٰ اسے پوری امت کیلئے نافع بنا دیں اور اسے شرف قبولیت سے
نوازیں۔ (آمین یارب العالمین۔)

وصلى الله على نبيه خاتم النبين

عبد الواحد

انتساب

اُن عظیم مشفق ومُربی ہستیوں کے نام جو تصوف وسلوک، طریقت وراہِ معرفت، عبدیت وانابت، اہتمام سنت واطاعت، اصلاح ظاہر وباطن، بے نفسی وفنائیت، اخلاص کامل وللّٰہیت، تفویض وتوکل، عشق رسول ﷺ کے پیکر مجسم اور اکابرین علماء دیوبند کے مسلک اعتدال کی زبانِ ترجمان تھے، یعنی

شیخ العرب والعجم، سیدی وسندی

حضرت مولانا **حسین احمد مدنی** نور اللہ مرقدہٗ

اور

مرشدی ومولائی ولی کامل

قطب الاقطاب حضرت مولانا

حمّادُ اللہ ہالیجوی

رحمهم الله رحمةً واسعةً

تکبر و غرور کا خوفناک انجام

افادات

پیر طریقت رہبر شریعت

حضرۃ مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تلمیذ رشید

شیخ الاسلام حضرۃ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز

مرشد الموحدین قطب الاقطاب حضرۃ مولانا حماد اللہ ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب وتزئین

عاصم عبداللہ

کرمی دار الکتب کراچی

جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی 2 کراچی 75230

0333-2124384

تکبر کرنے والا آدمی جنت میں داخل نہیں ہوگا

عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ : لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ ذَرَّۃٍ مِنْ کِبْرٍ فَقَالَ رَجُلٌ : اِنَّ الرَّجُلَ یُحِبُّ اَنْ یَّکُوْنَ ثَوْبُہٗ حَسَنًا وَنَعْلُہٗ حَسَنَۃً ؟ قَالَ: " اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ: اَلْکِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاس. (رواہ مسلم)

" حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ایک ذرے کے برابر بھی تکبر ہوگا۔ ایک آدمی نے سوال کیا کہ آدمی کو یہ پسند ہوتا ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو اور اس کے جوتے اچھے ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا بے شک اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے۔ تکبر یہ ہے کہ حق کی بات کو ٹھکرانا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا۔"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ علیٰ ما انعم وعلّمنا ما لم نعلم والصّلوٰۃ علیٰ افضل الرسل واکرم. وعلی آلہٖ وصحبہ وبارک وسلم. اما بعد!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ، فَالَّذِیْنَ لَایُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ قُلُوْبُھُمْ مُّنْکِرَۃٌ وَّ ھُمْ مُّسْتَکْبِرُوْنَ ۔لَاجَرَمَ اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَایُعْلِنُوْنَ، اِنَّہٗ لَایُحِبُّ الْمُسْتَکْبِرِیْنَ. صدق اللّٰہ العظیم.

”تمہارا معبود برحق، ایک ہی معبود ہے (تو) جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے، ان کے دل منکر ہو رہے ہیں۔ اور وہ (قبولِ حق سے) تکبر کرتے ہیں۔ (اور) ضروری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کے احوال پوشیدہ وظاہر جانتے ہیں۔ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔“

تکبر یا کبر اور غرور کی تعریف

اَلْکِبْرُ بَطْرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ.

”حق بات کو ٹھکرانا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا۔“

مطلب یہ ہے کہ کبر وہ ہے کہ جو آدمی کو حق سے ہٹا دے اور حق و صداقت سے سرکش کر دے اور وہ شخص مخلوق خدا کو اپنے سامنے ذلیل و حقیر سمجھے۔

غرور کا معنیٰ و مطلب

ایسے ہی غرور کا مطلب ہے، دھوکا اور مغرور کا مطلب ہے وہ شخص جو دھوکے کا شکار ہو۔ مغرور شخص کو مغرور اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اُسے اپنی ذات اور اپنے اوصاف کے بارے میں دھوکا لگا ہوا ہوتا ہے۔ وہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ میں کوئی بہت بڑی شے ہوں اور میرے اوصاف کمال کو پہنچے ہوئے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ نہیں ہوتی۔ عین ممکن ہے کہ ایک منکسر المزاج انسان کے اوصاف ایک مغرور شخص کے اوصاف سے بہت زیادہ اعلیٰ ہوں مگر اس کے دل میں کبھی بھولے سے بھی یہ خیال نہ آیا ہو کہ کوئی بڑی باکمال ہستی ہوں۔

سب سے پہلے شیطان کی طرف سے تکبر کا اظہار

سب سے پہلے اس برائی کا اظہار شیطان سے ہوا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے اُسے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو اُس نے اپنے آپ کو

آدم علیہ السلام سے بالا اور آدم علیہ السلام کو اپنے سے کمتر سمجھتے ہوئے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اس تکبر کی بنیاد اس پر تھی کہ میں آگ سے اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنے ہیں، اس لئے میں ان سے برتر ہوں۔ لہٰذا انہیں سجدہ کرنا میری شان کے خلاف ہے۔ اس تکبر کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ راندۂ درگاہ ٹھہرا اور ہمیشہ کے لئے ذلیل و خوار ہو کر رہ گیا جس کا واقعہ قرآن مجید میں کئی جگہ ذکر کیا گیا ہے، یہ سب سے پہلی نافرمانی ''میں'' کی وجہ سے ہوئی یہ ''میں'' بڑی بُری بیماری ہے۔ شیطان دلیل دینے لگا، آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور ان کو مٹی سے پیدا کیا اور یہ بھول گیا کہ میں کس بارگاہ میں کھڑا ہوں۔ اللہ رب العزت نے شیطان کو حکم دیا:

فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّکَ رَجِیْم وَاِنَّ عَلَیْکَ
لَعْنَتِیْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْن. (سورۃ: ص، آیت ۷۸/۷۷)

''نکل جا یہاں سے، تو مردود ہے، قیامت تک میری
تیرے اوپر لعنتیں برستی رہیں گی۔''

اب قیامت تک جو شخص بھی شیطان کی پیروی کرتے ہوئے تکبر کا شکار ہوگا یعنی اپنے آپ کو دوسروں کے مقابلے میں بڑا اور دوسروں کو اپنے مقابلے میں چھوٹا سمجھے گا، وہ خدا کی نگاہوں میں ذلیل و خوار ہو کر رہ جائے گا۔

تکبر کی مذمت قرآن مجید میں

سورہ بنی اسرائیل آیت ۳۷ میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَلَاتَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا، اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ
الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلاً.
''زمین میں اکڑ کر نہ چل، تو نہ زمین کو پھاڑ سکتا ہے، نہ
پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتا ہے۔''
ایسے ہی سورۃ لقمان آیت ۱۸ میں تلقین کی گئی ہے:
وَلَاتُصَعِّرْ خَدَّکَ لِلنَّاسِ وَلَاتَمْشِ فِی الْاَرْضِ
مَرَحًا، اِنَّ اللّٰہَ لَایُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ.
''اور لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کر، نہ زمین میں اکڑ
کر چل، اللہ کسی خود پسند اور فخر جتانے والے شخص کو
پسند نہیں کرتا۔''
ایک اور مقام پر اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:
اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا.
''بلاشبہ اللہ ہر ایسے شخص کو دوست نہیں رکھتا جو تکبر
کرنے والا فخر کرنے والا ہو۔''
تکبر بری بلا ہے، یہی ابلیس کے ملعون ہونے کا سبب بنا ہے۔
اس آیت میں ان لوگوں کی مذمت فرمائی جو اپنے آپ کو بڑا سمجھتے
ہیں اور دوسروں کو حقیر جانتے ہیں۔ لفظ ''مختال'' خیلاء سے ماخوذ ہے یہ لفظ
اپنے کو بڑا سمجھنے، اترانے، اپنے آپ میں پھولے نہ سمانے کے معنی میں
استعمال ہوتا ہے۔ اپنے کو بڑا سمجھنا یہ دل کا بہت بڑا روگ ہے اور اکثر گناہ

اسی وجہ سے ہوتے ہیں۔ شہرت کا طالب ہونا، اعمال میں ریاکاری کرنا، ناحق پر اصرار کرنا، حق کو ٹھکرانا، شریعت پر چلنے میں خفّت محسوس کرنا گناہوں کو اس۔لئے نہ چھوڑنا کہ معاشرے والے کیا کہیں گے یہ سب تکبر سے پیدا ہونے والی چیزیں ہیں۔

مختال کی مذمت کے ساتھ "فخور" کی بھی مذمت فرمائی ہے لفظ "فخور" فخر سے ماخوذ ہے شیخی بگھارنا، اپنی جھوٹی تعریفیں کرنا لفظ فخر ان سب کو شامل ہے۔ بہت سے لوگوں کو یہ مرض بھی ہوتا ہے کہ مال یا علم یا عہدہ کی وجہ سے فخر کرتے ہیں۔ ان کا ذہن اس طرف نہیں جاتا کہ ان کے پاس جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور یہ کہ اللہ کے عاجز بندے ہیں۔ جو کچھ نعمتیں اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی ہیں وہ اپنے خالق ومالک کو بھول جاتے ہیں۔ بندہ کا مقام یہ ہے کہ اپنے آپ کو عاجز سمجھے اور شکر گذار رہے اور اللہ کے دوسرے بندوں کو حقیر نہ سمجھے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جو لوگ مجھے زیادہ محبوب ہیں اور جو قیامت کے دن مجھ سے زیادہ قریب بیٹھنے والے ہوں گے، وہ وہ لوگ ہیں جو تم میں سے سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے ہیں اور تم میں جن سے مجھے سب سے زیادہ دشمنی ہے اور جو قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ دور ہوں گے، وہ وہ لوگ ہیں جو بہت بک بک کرنے والے ہیں اور جو زبان دراز ہیں اور جو چھلکنے والے ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ!

بک بک کرنے والوں اور زبان درازی کرنے والوں کو تو ہم جانتے ہیں مگر چھلکنے والوں سے کون لوگ مراد ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تکبر کرنے والے۔ (ترمذی)

تکبر کرنا سبب عذاب اور اللہ کے ساتھ شرک کرنے کی طرح ہے

وَعَنْهُ قَالَ : قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ : اَلْعِزُّ اِزَارِیْ، وَالْكِبْرِيَاءُ رِدَائِیْ، فَمَنْ يُّنَازِ عُنِیْ عَذَّبْتُهٗ.

(رواہ مسلم)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جل شانہ فرماتے ہیں کہ عزت میرا تہبند اور تکبر میری چادر ہے جو شخص ان دونوں میں سے کسی کو بھی مجھ سے چھیننے کی کوشش کرے گا تو میں اس کو عذاب میں مبتلا کروں گا۔''

فائدہ

اَلْعِزُّ اِزَارِیْ:

عزت میرا تہبند ہے، اللہ کی ازار سے مراد اور ازاری وغیرہ الفاظ سے یہ سمجھانا ہے کہ عظمت وعزت صرف میری ذات کے ساتھ خاص ہے، اس میں میرے ساتھ کوئی دوسرا ساجھی نہیں ہے، یعنی شریک نہیں ہے۔

اَلْکِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ:

''تکبر میری چادر ہے۔''

ان دونوں جملوں سے یہ بتانا ہے کہ جس طرح کسی کے لباس میں دوسرا شریک نہیں ہوسکتا تو اسی طرح اللہ جل شانہ کی کچھ صفات ایسی ہیں جس میں اللہ کے ساتھ دوسرا کوئی شریک نہیں ہوسکتا ان میں سے ایک ''عز'' اور دوسرا ''تکبر'' بھی ہے یہ بندوں میں کسی کے لئے مناسب نہیں کہ وہ ان صفات کو اپنائے۔

تمام گناہوں کی جڑ ''تکبر'' ہے

بہر حال، تکبر سارے گناہوں کی جڑ ہے، تکبر سے غصہ پیدا ہوتا ہے، تکبر سے حسد پیدا ہوتا ہے، تکبر سے بغض پیدا ہوتا ہے، تکبر کی بنیاد پر دوسروں کی دل آزاری ہوتی ہے، تکبر سے دوسروں کی غیبت ہوتی ہے۔ جب تک دل میں تواضع نہ ہوگی، اس وقت تک ان برائیوں سے نجات نہ ہوگی۔ اس لئے ایک مومن کے لئے تواضع کو حاصل کرنا اور تکبر سے بچنا بہت ضروری ہے۔

تکبر کرنے والے کا شمار سرکش لوگوں میں ہوتا ہے

وَعَنْ سَلَمَةَ ابْنِ الْاَکْوَعِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

وَآلِهٖ وَسَلَّمَ: ”لَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَذْهَبُ بِنَفْسِهٖ حَتّٰى يُكْتَبَ فِي الْجَبَّارِيْنَ، فَيُصِيْبُهٗ مَا أَصَابَهُمْ. (رواه الترمذی)

”حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: آدمی تکبر کا اظہار کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اسے سرکش لوگوں میں لکھ دیا جاتا ہے پھر اسے وہی سزا ہوگی جو سرکش لوگوں کی ہوتی ہے۔“

فائدہ

آدمی جس قسم کی عادات کو اختیار کرتا ہے ویسا ہی آہستہ آہستہ ہو جاتا ہے اگر اچھی صفات کی کوشش کرتا ہے تو اچھی صفات اس میں بتدریج آتی رہتی ہیں اور اگر مذموم اور بری صفات کی کوشش کرتا ہے تو وہ پھر آہستہ آہستہ اسی سانچے میں ڈھل جاتا ہے اور اسی رنگ میں رنگ جاتا ہے۔

تکبر کرنے والا آدمی جنت میں داخل نہیں ہوگا

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ

كِبْرٍ فَقَالَ رَجُلٌ : اِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَّكُوْنَ ثَوْبُهُ حَسَنًا وَنَعْلُهُ حَسَنَةً ؟ قَالَ : " اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ: اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ، (رواہ مسلم)

بَطَرُ الْحَقِّ : دَفْعُهُ وَرَدُّهُ عَلٰى قَائِلِهٖ، وَغَمْطُ النَّاسِ،: اِحْتِقَارُهُمْ.

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ایک ذرے کے برابر بھی تکبر ہوگا ایک آدمی نے سوال کیا کہ آدمی کو یہ پسند ہوتا ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو اور اس کے جوتے اچھے ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا بے شک اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے۔ تکبر یہ ہے کہ حق کی بات کو ٹھکرانا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا۔''

فائدہ

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ.

''وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ایک ذرے کے برابر بھی تکبر ہے۔''

ذرہ سے مراد یا تو چھوٹی چیونٹی ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ سو چیونٹیاں مل کر ایک جو کے وزن کے برابر ہوتی ہیں یا بعض علماء فرماتے ہیں کہ ذرہ سے مراد وہ باریک باریک غبار کے ریزے ہیں جو روشنی میں نظر آتے ہیں بہر حال اندازہ لگایا جائے کہ اللہ جل شانہ تکبر کو ذرہ برابر بھی پسند نہیں فرماتے۔

فَقَالَ رَجُلٌ اِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ اَنْ يَّكُوْنَ ثَوْبُهٗ حَسَنًا:

''ایک آدمی نے سوال کیا کہ آدمی کو یہ پسند ہوتا ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُّحِبُّ الْجَمَالَ.

''اللہ جل شانہ جمیل ہیں اور جمال کو پسند فرماتے ہیں۔''

اللہ جل شانہ جمیل ہے کہ اللہ اپنی ذات وصفات میں اوصاف کاملہ سے موصوف ہیں اور ہر قسم کا ظاہری و باطنی حسن و جمال اسی کے جمال کا عکس ہے، یا مطلب یہ ہے کہ اللہ جمیل ہے کہ اللہ آراستہ کرنے والے اور جمال بخشنے والے ہیں، بعض کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہ اپنے بندوں کا اچھا کارساز ہے۔

نیز یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو باتیں اور فرمائیں۔ پہلی بات یہ کہ اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ تکبر کیا ہے؟

یعنی حق کا انکار کرنا ہے۔ حق بات آجائے تو اپنی تحقیر و توہین اور ذلت و رسوائی کے اندیشہ سے اس کا انکار کر دے، اس کا نام تکبر ہے، ایک بات تو یہ ہے۔

اور دوسری بات آپ نے ارشاد فرمائی کہ:

وغمط الناس.

اور لوگوں کو حقیر سمجھنا، دوسروں کو اپنے مقابلے میں چھوٹا سمجھنا، اور اپنے کو بڑا سمجھنا۔ گویا تکبر دو باتوں کا نام ہے، ایک تو حق بات کا انکار کرنا، اور دوسرے اپنے مقابلے میں اوروں کو حقیر سمجھنا، جس میں یہ دونوں باتیں ہوں یا دونوں میں سے ایک بات ہوگی وہ جنت میں نہ جائے گا۔

متکبر کی مثال

عربی زبان میں کسی نے بڑی حکیمانہ بات کہی ہے وہ یہ کہ متکبر کی مثال اس شخص جیسی ہے جو پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہوا ب وہ پہاڑ کے اوپر سے نیچے چلنے پھرنے والوں کو چھوٹا سمجھتا ہے، اس لئے کہ اوپر سے اس کو وہ لوگ چھوٹے نظر آرہے ہیں اور جو لوگ نیچے سے اس کو پہاڑ پر دیکھنے والے ہیں وہ اس کو چھوٹا سمجھتے ہیں بالکل اسی طرح ساری دنیا متکبر کو حقیر سمجھتی ہے، اور وہ دنیا والوں کو حقیر سمجھتا ہے،...... لیکن جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے آگے اپنے آپ کو فنا کر دیا، اللہ تعالیٰ اس کو عزت عطا فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے یہ چیز ہمارے اندر بھی پیدا فرمادے۔ آمین

جنت اور جہنم کا مکالمہ

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ : " اِحْتَجَّتِ الْجَنَّۃُ وَالنَّارُ، فَقَالَتِ النَّارُ: فِیَّ الْجَبَّارُوْنَ وَالْمُتَکَبِّرُوْنَ، وَقَالَتِ الْجَنَّۃُ : فِیَّ ضُعَفَاءُ النَّاسِ وَمَسَاکِیْنُھُمْ. فَقَضَی اللّٰہُ بَیْنَھُمَا : اِنَّکِ الْجَنَّۃُ رَحْمَتِیْ، اَرْحَمُ بِکِ مَنْ اَشَاءُ وَاِنَّکِ النَّارُ عَذَابِیْ، اُعَذِّبُ بِکِ مَنْ اَشَاءُ، وَلِکِلَیْکُمَا عَلَیَّ مِلْؤُھَا.

(رواہ مسلم)

" حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنت اور دوزخ نے باہم جھگڑا کیا۔ دوزخ نے کہا میرے اندر بڑے بڑے سرکش اور متکبر لوگ ہوں گے اور جنت نے کہا میرے اندر کمزور اور مسکین قسم کے لوگ ہوں گے، تو اللہ جل شانہ نے ان کے درمیان فیصلہ فرمایا کہ: "اے جنت! تو میری رحمت ہے میں تیرے ذریعے سے جس پر چاہوں گا رحم کروں گا اور اے دوزخ! تو میرا عذاب ہے، میں تیرے ذریعے سے جسے چاہوں گا عذاب دوں گا اور تم دونوں

کے بھرنے کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔''

فائدہ

اَرۡحَمُ بِکِ مَنۡ اَشَاءُ:

جس پر میں چاہوں گا رحم کروں گا، اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ یوں ہی جسے چاہیں جنت میں اور جس کو چاہیں جہنم میں بھیج دیں گے، بلکہ اس کے لئے اللہ جل شانہ نے اصول وضوابط مقرر کئے ہیں کہ جو نیک اعمال کرے گا تو اللہ اس کو جنت میں اور جو اللہ جل شانہ کی نافرمانی کریں گے تو ان کے لئے جہنم مقدر ہے۔

جہنم میں کس قسم کے لوگ داخل ہوں گے

وَعَنۡ حَارِثَةَ بۡنِ وَهۡبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنۡهُ قَالَ : سَمِعۡتُ رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ يَقُوۡلُ : اَلَا أُخۡبِرُكُمۡ بِأَهۡلِ النَّارِ؟ كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسۡتَكۡبِرٍ. (متفق عليه)

''حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: کیا میں تمہیں جہنمیوں کی خبر نہ دوں؟ ہر سرکش، بخیل اور متکبر جہنمی ہے۔''

فائدہ

الا أخبر کم بأهل النار.

''میں تمہیں یہ نہ بتادوں کہ اہل جہنم کون ہیں؟''

کل عتل جواظ مستکبر.

عتـــل کہتے ہیں سخت دل انسان کو، جس کا دل پسیجتا نہ ہو، اور اس میں نرمی نہ آتی ہو، جـــوّاظ متکبر انسان جو اکڑ کر چلتا ہو، اور متکبر یعنی تکبر کرنے والا یعنی سخت دل اکڑنے والا متکبر، ایسا شخص جہنم میں جائے گا، جنت سے محروم ہوگا۔

جنت میں کس قسم کے لوگ داخل ہوں گے

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

الا أخبر کم بأهل الجنة.

''میں اہل جنت کے متعلق بتادوں کہ وہ کون لوگ ہیں؟''

صحابہ نے عرض کیا ضرور یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل ضعیف مستضعف.

''ہر وہ انسان جو کمزور ہو اور لوگ بھی اسے کمزور سمجھتے ہوں۔''

نیک ہو، دیندار ہو، پرہیزگار ہو، لیکن اس کی عظمت لوگوں کے دلوں میں نہ ہو، اور خود بھی اپنے کو چھوٹا ہی سمجھتا ہو، وہ جنت میں جائے گا۔ اس کی نیکی

،اس کی تواضع کی وجہ سے اللہ کے یہاں اس کی عظمت کا یہ حال ہے کہ:

لو أقسم علی اللہ لأبرہ.

''اگر وہ اللہ کے اوپر کسی بات کی قسم کھا بیٹھے کہ ایسا ضرور ہوگا تو اللہ تعالیٰ اسے پورا کر دیں گے۔''

ہے وہ کمزور آدمی لیکن خدا کے نزدیک اس کا مقام وہ ہے کہ خدا اس کی قسم پوری فرماتے ہیں، اسی حوالے سے یہ واقعہ پڑھیئے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ ان کی پھوپھی نے کسی باندی کو مار دیا اور اس کا دانت ٹوٹ گیا، باندی کے مالکوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دعویٰ کیا، آپ نے فیصلہ فرمایا کہ قصاص واجب ہے، جب اس نے دانت توڑا ہے تو اس کا بھی دانت توڑا جائے گا، حضرت انس کی پھوپھی کے گھر والوں نے چاہا کہ کچھ دے کر صلح کر لی جائے، لیکن باندی کے مالک تیار نہیں ہوئے، آپ نے فرمایا کہ جب یہ لوگ دیت لینے پر آمادہ نہیں ہیں تو دانت توڑا جانا یقینی ہے، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا نضر بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے کہ خدا کی قسم میری بہن کے دانت نہیں ٹوٹیں گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کیا کہہ رہے ہو، انھوں نے پھر یہی بات دہرائی، ان کا منشا معارضہ کرنا نہیں تھا بلکہ اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ لوگ صلح کر لیں گے، چنانچہ ایسا ہی

ہوا، وہ لوگ رقم لے کر صلح پر راضی ہوگئے، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اللہ کے اوپر قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم کی لاج رکھ لیتے ہیں، یہی مطلب ہے

لو أقسم علی اللہ لأبرہ. کا

یہ وہ کمزور لوگ ہیں جو جنت میں جائیں گے۔

تکبر کرنے والوں کا قیامت کے دن خوفناک انجام

عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: یُحْشَرُ الْمُتَکَبِّرُوْنَ اَمْثَالَ الذَّرِّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْ صُوَرِ الرِّجَالِ یَغْشَاهُمُ الذُّلُّ، مِنْ کُلِّ مَکَانٍ یُسَاقُوْنَ اِلٰی سِجْنٍ فِیْ جَهَنَّمَ یُسَمّٰی بَوْلَسَ، تَعْلُوْهُمْ نَارُ الْاَنْیَارِ، یُسْقَوْنَ مِنْ عُصَارَةِ اَهْلِ النَّارِ طِیْنَةِ الْخَبَالِ. (ترمذی)

”حضرت عمرو بن شعیبؒ اپنے باپ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تکبیر کرنے والوں کا حشر قیامت کے دن چونٹیوں کی طرح ہوگا (جسم چونٹیوں کے برابر ہوں گے اور صورتیں انسانوں کی ہوں گی۔ ہر طرف سے

ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی ان کو دوزخ کے جیل
خانہ کی طرف چلایا جائے گا جس کا نام بولس ہے ان پر
آگوں کو جلانے والی آگ چڑھی ہوگی ،ان کو
دوزخیوں کے جسم کا نچوڑ پلایا جائیگا۔''

فائدہ

يُحْشَرُ الْمُتَكَبِّرُونَ اَمْثَالَ الذَّرِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

''قیامت کے دن متکبرین چیونٹیوں کے مثل اٹھائے
جائیں گے، یعنی ان کا جسم چیونٹیوں کے برابر ہوگا۔''

فِي صُــوْرَةِ الرِّجَالِ.

''صورت آدمیوں ہی کی ہوگی، رہیں گے آدمی ہی ،
ناک نقشہ آدمیوں جیسا ہوگا۔''

يَغْشَاهُمُ الذُّلُّ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ.

''چاروں طرف سے ان پر ذلت چھائی ہوگی۔''

يُسَاقُوْنَ إِلٰى سِجْنٍ فِي جَهَنَّمَ.

''جہنم کے قید خانہ کی جانب انھیں ہنکایا جائے گا۔''

يُسَمّٰى بُوْلَسَ.

اس قید خانہ کا نام بولس ہوگا، مایوسی کا گھر، جس میں آدمی کو کسی قسم کی
امید نہ ہو، ہر چیز سے ناامید ہو۔

تَعْلُوْهُمْ نَارُ الْاَنْيَارِ.

سب سے بڑی آگ ان پہ بلند ہو رہی ہوگی، یہ تو آگ کی بات ہے، اور کھانے پینے کو کیا دیا جائے گا؟ فرماتے ہیں:

يُسْقَوْنَ مِنْ عُصَارَةِ أَهْلِ النَّارِ طِيْنَةِ الْخَبَالِ .

جہنمیوں کے بدن سے خون اور پیپ اور کچ لہو جو بہتا ہوگا نہایت گرم کر کے وہی پلایا جائے گا۔

احادیث میں طینۃ الخبال پلانے کے بارے میں دو آدمیوں کو بتلایا گیا ہے، دو آدمیوں کو طینۃ الخبال یعنی جہنمیوں کے بدن کا خون اور پیپ پلایا جائے گا۔ ایک متکبر اور دوسرے شرابی، جو شخص شراب پیتا ہے حدیث شریف میں ہے کہ میرے رب نے قسم کھائی ہے کہ شراب پینے والے کو طینۃ الخبال پلا کر رہوں گا، جو شخص شراب کا یا کسی بھی نشہ کا عادی ہوگا وہ طینۃ الخبال سے بچ نہیں سکتا، بعض دوسری روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ جہنمیوں کا مشروب اتنا گرم ہوگا کہ اول تو جہنمی اسے پینا ہی نہ چاہے گا لیکن پینے پر مجبور کیا جائے گا، وہاں تو فرشتے مسلط ہوں گے اور جب پئے گا تو شدت حرارت کی وجہ سے آنتیں کٹ کٹ کر پاخانہ کے راستے سے باہر نکل پڑیں گی۔

دیکھتے ہیں تکبر کی سزا کتنی سخت ہے؟ پھر اسی تکبر کے انڈے بچے غصہ کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں، متکبر انسان غصہ ور بھی ضرور ہوگا۔ سب سے پہلا متکبر کون تھا؟ ابلیس تھا، جس نے آدم علیہ السلام کے مقابلے میں تکبر کیا تھا، اب جو بھی تکبر کرتا ہے وہ شیطان کی خصلت لیتا ہے، پھر غصہ

بھی اسے آتا ہے، حدیث شریف میں آتا ہے:

إن الغضب من الشيطان.

''غصہ شیطان کی وجہ سے آتا ہے۔''

وإن الشيطان خلق من النار.

''اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے۔''

وإنما النار تطفأ بالماء.

''اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے۔''

فإذا غضب أحدكم فليتوضأ.

''پس جب کسی کو غصہ آئے تو وضو کرلے۔ وضو کرنے سے آگ بجھ جائے گی، اور غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔''

تکبر کے بارے میں حدیث میں بہت کچھ آیا ہے، اگر آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات پر غور کرلے تو تکبر کو تھوک دے گا، یہ ایسی چیز نہیں ہے کہ کسی مومن کے دل میں رہے۔

تکبر کرنے والا کتوں اور خنزیر سے بھی بدتر ہے

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن برسر منبر اپنے خطبہ میں فرمایا:

يايها الناس تواضعوا فاني سمعت رسول الله يقول من تواضع لله رفعه الله فهو في نفسه صغير وفي اعين الناس عظيم ومن تكبر وضعه الله فهو في اعين الناس صغير

وفی نفسہ کبیر حتی لھو اھون علیھم من
کلب او خنزیر.
(رواہ البیھقی فی شعب الایمان فصل فی
التوابع: جزء/۱۷، ص/۱۸۲)
"اے لوگو! فروتنی اور خاکساری اختیار کرو کیونکہ میں نے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم
فرماتے تھے جس نے اللہ کے لئے خاکساری کا رویہ
اختیار کیا تو اللہ اس کو بلند کرے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ
اپنے خیال اور اپنی نگاہ میں تو چھوٹا ہوگا لیکن عام بندگان
خدا کی نگاہ میں اونچا ہوگا اور جو کوئی تکبر اور بڑائی کا رویہ
اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو نیچے گرادے گا جس کا نتیجہ
یہ ہوگا کہ وہ عام لوگوں کی نگاہ میں ذلیل وحقیر ہو جائے گا
اگرچہ اپنے خیال میں بڑا ہوگا لیکن دوسروں کی نظروں
میں وہ کتوں اور خنزیروں سے بھی زیادہ ذلیل اور بے
وقعت ہو جائے گا۔"

فائدہ

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ.

جو اللہ کے لئے تواضع کرتا ہے، پستی اختیار کرتا ہے یعنی اللہ کی
عظمت اور اس کی کبریائی کے سامنے اپنے کو بالکل ذلیل اور فنا سمجھتا ہے تو

اللہ تعالیٰ اسے بلند فرماتے ہیں۔ اب سنئے اس کے بعد والا جملہ قابل غور ہے، فرماتے ہیں:

فهو في نفسه صغير وفي أعين الناس عظيم.

وہ اپنے نزدیک تو بہت ذلیل وحقیر ہوتا ہے لیکن لوگوں کی نگاہ میں بہت بڑا ہوتا ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ جو شخص اپنے کو چھوٹا اور ذلیل خیال کرتا ہے لوگوں کی نگاہ میں اس کی عظمت جم جاتی ہے، اور اسی کے مقابلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **ومن تكبر** اور جو تکبر اختیار کرتا ہے، اور اپنے کو بڑا سمجھتا ہے اور بنتا ہے، **وضعه الله**، اس کو اللہ تعالیٰ گرا دیتے ہیں، پست کر دیتے ہیں، تو حال یہ ہوتا ہے کہ

فهو في أعين الناس صغير وفي نفسه كبير.

وہ اپنے نزدیک تو بہت بڑا ہے، سمجھتا ہے کہ میں سب سے بڑھ کر ہوں، اور دوسروں کے نزدیک انتہائی پست اور ذلیل ہوتا ہے، اور یہ مشاہدہ کی بات ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بڑائی ہانکتا ہے، ڈینگیں مارتا ہے تو سننے والا اس وقت تو چاہے سن لے، مگر پیچھے یہی کہتا ہے کہ بڑا کمینہ انسان ہے، دیکھو تو کیسی شیخی بگھار رہا تھا، یہ انسان کی فطرت میں ہے کہ متکبر کو وہ ذلیل وکمینہ سمجھتا ہے۔

اب آگے رسول اللہ کا ارشاد سنئے! فرماتے ہیں:

حتىٰ لهو أهون عليهم من كلبٍ او خنزيرٍ.

یہاں تک کہ وہ لوگوں کے نزدیک کتے اور خنزیر سے بھی زیادہ ذلیل ہوتا ہے۔ یعنی لوگ کتے اور خنزیر کو کچھ سمجھیں گے، لیکن اس متکبر کو کوئی درجہ دینے کے لئے تیار نہ ہوں گے۔ انتہائی ذلیل ہوتا ہے وہ انسان جو اپنے کو بڑا سمجھتا ہے، اسے خیال ہوتا ہے کہ میری بڑائی قائم رہنی چاہیے، تو دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کیسا اسے ذلیل ورسوا کر رہے ہیں۔

تاریخ انسانی میں جن جن بندوں نے بندگی کی سطح سے اوپر اٹھ کر عظیم ہونے کی کوشش کی وہ دنیا میں بھی عذاب اور رسوائی کا شکار ہوئے اور آخرت کے عذاب کے بھی مستحق ٹھہرے مثلاً نمرود، فرعون وغیرہ۔

اس کے برعکس تواضع کی فضیلت یوں ارشاد فرمائی گئی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خیرات کرنے سے مال میں کمی نہیں آتی اور جو شخص معاف کرتا ہے اللہ اس کی عزت بڑھاتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی خاطر تواضع سے کام لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بلند کرتا ہے۔ (مسلم)

اکڑ کر چلنے والا آدمی زمین میں دھنسا دیا گیا

وَعَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ: بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِيْ فِيْ حُلَّةٍ تُعْجِبُهُ نَفْسُهُ، مُرَجِّلٌ رَأْسِهٖ، يَخْتَالُ فِيْ

مَشْيَتِهٖ، اِذْ خَسَفَ اللّٰهُ بِهٖ، فَهُوَ يَتَجَلْجَلُ فِي

الْاَرْضِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ. (متفق عليه)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک آدمی عمدہ جوڑے میں ملبوس سر میں کنگھی کیے ہوئے اتراتا ہوا اکڑ کر چل رہا تھا کہ اللہ جل شانہ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا پس وہ قیامت کے دن تک زمین میں دھنستا جائے گا۔''

فائدہ

اس حدیث کے بارے میں محدثین نے دو احتمال ظاہر کیے ہیں:

پہلا احتمال

یہ بنی اسرائیل کا واقعہ ہے جیسے کہ ایک روایت میں فرمایا گیا ہے کہ

اِنَّ رَجُلاً مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ.

کہ تم سے پہلے لوگوں میں سے تھا اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پچھلی کسی امت کا حال بیان فرما رہے ہیں کہ اس کے تکبر کی وجہ سے اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا۔

دوسرا احتمال

یہ ہے کہ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطور پیشین گوئی

کے ارشاد فرمائی کہ: کسی آنے والے وقت میں ایسا ہوگا کیونکہ ایسا ہونا یقینی امر ہے اس لئے اس کو ماضی کے صیغوں میں بیان کیا گیا ہے۔

تنبیہ

یہ واقعہ قارون کا نہیں ہے کیونکہ اس کا زمین میں دھنسنا مال کے سبب سے تھا۔

شلوار پائجامہ کو ٹخنوں سے نیچے رکھنا بھی تکبر میں داخل ہے

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : " لَا یَنْظُرُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِلٰی مَنْ جَرَّ اِزَارَهٗ بَطَرًا.

(متفق علیه)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن اللہ جل شانہ اس شخص کی طرف نہیں دیکھے گا جو تکبر سے اپنے تہہ بند (شلوار وغیرہ) کو ٹخنوں سے نیچے گھسیٹتا ہوا چلے۔"

جس قسم کا مضمون حدیث بالا میں ارشاد فرمایا گیا اس قسم کا مضمون متعدد روایات میں وارد ہوا ہے، مثلاً:

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِیَّ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ : " مَنْ جَرَّ ثَوْبَہٗ خُیَلَاءَ لَمْ یَنْظُرِ اللّٰہُ اِلَیْہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں جو شخص غرور و تکبر کے طور پر اپنے کپڑے کو زمین پر گھسیٹتا ہوا چلے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا۔"

اسی طرح دوسری روایت میں ہے:

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ : بَیْنَمَا رَجُلٌ یَجُرُّ اِزَارَہٗ مِنَ الْخُیَلَاءِ خُسِفَ بِہٖ فَھُوَ یَتَجَلْجَلُ فِی الْاَرْضِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ.

(بخاری ج ۲، مسلم ج ۲)

"حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص غرور و تکبر کی وجہ سے اپنی چادر کو زمین پر گھسیٹتا ہوا چل رہا تھا تو اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا اب وہ قیامت تک زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔"

فائدہ

تہبند، شلوار وغیرہ ٹخنوں سے نیچے کرنا ان ناجائز کاموں میں سے ہے کہ جسکی ممانعت سے متعلق تقریباً بخاری شریف میں اٹھ مسلم شریف میں گیارہ اور ابوداؤد شریف میں سات ترمذی شریف میں تین ابن ماجہ شریف میں سات الترغیب والترھیب میں پانچ حدیثیں آئی ہیں۔ حدیث شریف کی باقی کتب میں اس کے علاوہ حدیثیں موجود ہیں۔

تہبند، شلوار وغیرہ ٹخنوں سے نیچے کرنا تکبر اور خود پسندی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ تکبر اور خود پسندی اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔

ایسے لوگوں کی طرف اللہ تعالیٰ نظر رحمت نہیں فرمائے گا اگر خدا نخواستہ ہمارے ساتھ ایسا ہوا تو پھر ہمارے لئے کیا رہ جائے گا۔

ایک حدیث مبارکہ میں فرمایا گیا کہ تہبند شلوار وغیرہ کا جو حصہ ٹخنوں (پیر یا ٹخنوں) سے نیچے ہوگا وہ (پاؤں کا حصہ) آگ میں ہوگا۔ (بخاری)

محدثین فرماتے ہیں کہ غرور و تکبر کے ساتھ پائجامہ یا تہبند کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا تو حرام ہے، اگر غرور و تکبر کی نیت نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہوگا اگر کسی عذر کی وجہ سے ایسا کیا جائے تو اس کی معافی ہے۔

بلا عذر بائیں ہاتھ سے کھانا بھی تکبر میں داخل ہے

وَعَنْ سَلَمَةَ ابْنِ الْأَكْوَعِ رَضِيَ للّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلاً أَكَلَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ بِشِمَالِهٖ فَقَالَ : "كُلْ بِيَمِيْنِكَ" قَالَ: لَا أَسْتَطِيْعُ قَالَ: "لَا اسْتَطَعْتَ" مَا مَنَعَهُ إِلَّا الْكِبْرُ قَالَ: فَمَا رَفَعَهَا إِلٰى فِيْهِ .

(رواہ مسلم)

"حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس اپنے بائیں ہاتھ سے کھایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ، اس نے کہا مجھے طاقت نہیں ہے، آپؐ نے ارشاد فرمایا: (بدعا کے طور پر) تجھ میں اس کی طاقت نہ ہو، اس کو صرف تکبر نے آپ علیہ السلام کی بات کے ماننے سے روکا تھا، راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد وہ آدمی اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے منہ کی طرف نہیں اٹھا سکا"

فائدہ

إِنَّ رَجُلاً أَكَلَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

''ایک آدمی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا۔''

علماء نے اس کا نام بشر بن راعی الاشجعی لکھا ہے، یہ مشہور صحابی رسول ہیں، یہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے،

كُلْ بِيَمِينِكَ.

''سیدھے ہاتھ سے کھاؤ۔''

بعض علماء کے نزدیک سیدھے ہاتھ سے کھانا واجب ہے، مگر جمہور کے نزدیک سنت اور مستحب ہے اور جن روایات میں صیغہ امر استعمال ہوا ہے بطور زجر و تنبیہ کے ہے۔

الا الكبر.

اس آدمی نے کبر کی وجہ سے یہ بات کہی تھی، میں اس کی طاقت نہیں رکھتا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بددعا فرمائی اور موت تک پھر کبھی ہاتھ منہ تک نہ اٹھا سکا حدیث بالا میں تکبر کی قباحت اور تکبر کے انجام بد کی طرف بھی اشارہ ہے۔

تین آدمی رحمتِ خداوندی سے محروم

وَعَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَالِهٖ وَسَلَّمَ :'' ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ

الْقِيَامَةِ، وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ، وَلَهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ : شَيْخٌ زَانٍ ، وَمَلِكٌ كَذَّابٌ،
وَعَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ. (رواه مسلم)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت
ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تین آدمی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت والے دن نہ
کلام فرمائیں گے نہ ان کو پاک فرمائیں گے اور نہ ان
کی طرف نظر (رحمت) سے دیکھیں گے اور ان کے
لئے دردناک عذاب ہوگا: ا۔ بوڑھا زنا کرنے والا،
۲۔ جھوٹا بادشاہ، ۳۔ تکبر کرنے والا فقیر۔

فائدہ

لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ :

اللہ تعالیٰ بات نہیں کریں گے یعنی رضا وخوشنودی والی بات نہیں کریں گے یا بالکل ہی بات نہیں کریں گے۔

وَلَا يُزَكِّيهِمْ:

کہ اللہ جل شانہ اس قسم کے لوگوں کی تعریف وستائش نہیں فرمائیں گے یا مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہ اس قسم کے لوگوں کو گناہوں کی نجاست سے پاک وصاف نہیں کریں گے۔

(۱) شَیْخٌ زَانٍ:
بوڑھا زنا کرنے والا،

زنا تو بہت برا فعل ہے خواہ جوان آدمی کرے یا بوڑھا آدمی۔ مگر بوڑھے آدمی کی زیادہ مذمت ہے، کیونکہ اس کی طبیعت پر جنسی خواہش اور قوت مردانگی کا وہ غلبہ نہیں ہوتا تو اب بوڑھے آدمی کا زنا کرنا اس کی نہایت بے حیائی اور خبث طبیعت پر دلالت کرتا ہے۔

(۲) وَمَلِکٌ کَذَّابٌ:

اسی طرح جھوٹ بولنا ہر آدمی کے لئے برا ہے مگر خاص کر کے بادشاہ وقت جس کے جھوٹ کا اثر صرف ایک دو پر نہیں بلکہ پورے ملک پر ہوتا ہے، یا مطلب یہ ہے کہ آدمی جھوٹ بولتا ہے کسی فائدہ کے حصول یا کسی نقصان سے بچنے کے لئے مگر بادشاہ کو اس قسم کے جھوٹ بولنے کا کیا فائدہ اس کے بغیر بھی وہ فائدہ حاصل کر سکتا ہے اور نقصان سے بچ سکتا ہے۔

(۳) وَعَائِلٌ مُسْتَکْبِرٌ:

تکبر ہر آدمی کے لئے برا ہے مگر خاص کر کے جو بالکل فقیر و مفلس ہو تو اس کا تکبر کرنا اور زیادہ برا ہے۔

تکبر قبولِ حق کی راہ کی رکاوٹ ہوتا ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر

بھی تکبر ہوگا، وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ اس پر ایک شخص نے عرض کیا کہ انسان اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو اور اس کا جوتا عمدہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جمال والا ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے (تکبر اچھا لباس پہننے اور اچھا جوتا پہننے کا نام نہیں بلکہ) تکبر تو یہ ہے کہ حق کا ہٹ دھرمی سے انکار کیا جائے اور لوگوں کو حقیر سمجھا جائے۔ (مسلم)

فائدہ

اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو مال دے رکھا ہو اور وہ اچھا کھانا کھائے، اچھا پہنے اور اچھی طرح رہے سہے تو یہ تکبر نہیں ہے بلکہ تکبر یہ ہے کہ انسان کو جو کچھ حاصل ہو اس کی بناء پر اپنے آپ کو بہت بڑا اور دوسروں کو حقیر سمجھنے لگے اور ایسے ہی یہ بھی تکبر ہے کہ جب کسی شخص کے سامنے حق پیش کیا جائے تو وہ ہٹ دھرمی سے اُسے ماننے سے انکار کر دے۔ انبیاء علیہم السلام جب خدا کا پیغام اپنی قوموں کو پہنچاتے تھے تو عموماً اس کا انکار کرنے والے لوگ وہی ہوتے تھے جو خوشحال طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ اپنا رُتبہ اس سے بہت اونچا سمجھتے تھے کہ کوئی انہیں بتائے کہ تم غلط راہ پر چل رہے ہو، صحیح راہ یہ ہے، اس کی طرف آؤ۔ پھر ان متکبر لوگوں کی ریشہ دوانیوں کے باعث غریب لوگ

بھی حق کا انکار کرتے تھے اگر ان تکبر کرنے والوں کی ریشہ دوانیاں نہ ہوتیں تو بے شمار غریب اور متوسط طبقے کے لوگ جلد ایمان لے آتے۔

تکبر دلوں پر مہر لگنے کا بڑا سبب ہے

حقیقت یہ ہے کہ جس دل میں تکبر گھر کر لیتا ہے، وہ حق کو قبول کرنے کے لئے اس طرح بند ہو جاتا ہے گویا اس پر مہر لگ گئی ہے۔ حق کو قبول کرنے کے لئے بہر حال یہ ماننا پڑتا ہے کہ اس سے پہلے ہم ناحق پر تھے اور متکبر لوگوں کی نگاہوں میں ان کا اپنا آپ اتنا بڑا اور عالی شان ہوتا ہے کہ وہ کسی صورت ماننے کو تیار نہیں ہوتے کہ وہ غلطی پر ہیں۔ ان کے خیال میں اپنی غلطی ماننا گویا اپنے آپ کو اپنے اعلیٰ رُتبے سے نیچے گرانا ہے اور اس کے لئے وہ کسی صورت اپنے دل کو آمادہ نہیں کر سکتے۔ کلام پاک میں بہت سی آیات بیان ہوئی ہیں، جن میں یہی مفہوم پایا جاتا ہے کہ متکبر لوگوں کے دل حق قبول کے لئے بند ہو چکے ہوتے ہیں اور اپنے اس تکبر اور حق کے انکار کے باعث وہ بُرے انجام کو پہنچیں گے۔ ان آیات میں سے کچھ آیات اور ان کی تشریح ذیل میں پیش کی جا رہی ہے جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ تکبر اور قبولِ حق ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔

سورۃ الاعراف آیت ۱۴۶ میں فرمایا گیا ہے:

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ.

''میں اپنی نشانیوں سے ان لوگوں کی نگاہیں پھیر دوں گا جو بغیر کسی حق کے زمین میں بڑے بنتے ہیں۔''

ایسے ہی سورۃ المؤمن آیت ۳۵ میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ قَلْبِ مُتَکَبِّرٍ جَبَّارٍ.

''اسی طرح اللہ ہر تکبر کرنے والے جبار کے دل پر ٹھپہ لگا دیتا ہے۔''

یعنی کسی کے دل پر ٹھپہ بلا وجہ نہیں لگا دیا جاتا۔ یہ لعنت کی مہر صرف اُسی کے دل پر لگائی جاتی ہے، جس میں تکبر اور جباریت کی ہوا بھر چکی ہو۔ تکبر سے مراد ہے آدمی کا جھوٹا پندار، جس کی بناء پر وہ حق کے آگے سر جھکانے کو اپنی حیثیت سے گری ہوئی بات سمجھتا ہے اور جباریت سے مراد خلق خدا پر ظلم ہے، جس کی کھلی چھوٹ حاصل کرنے کے لئے آدمی شریعت الٰہیہ کی پابندیاں قبول کرنے سے بھاگتا ہے۔

ایسے ہی سورۃ الاحقاف آیت ۲۰ میں فرمایا گیا ہے کہ جب کافر آگ کے سامنے لا کھڑے کئے جائیں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ تم اپنے حصے کی نعمتیں اپنی دنیا کی زندگی میں ختم کر چکے اور ان کا لطف تم نے اٹھا لیا۔

فَالْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْھُوْنِ بِمَا کُنْتُمْ

تَسْتَكْبِرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ.

''اب جو تکبر تم زمین میں کسی حق کے بغیر کرتے رہے
اور جو نافرمانیاں تم نے کیں، اُن کی پاداش میں آج تم
کو ذلت کا عذاب دیا جائے گا۔''

ذلت کا عذاب اُس تکبر کی مناسبت سے ہے جو انہوں نے کیا۔ وہ اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھتے تھے۔ اُن کا خیال یہ تھا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر غریب اور فقیر مومنوں کے گروہ میں شامل ہو جانا اُن کی شان سے گری ہوئی بات ہے۔ وہ اس زعم میں مبتلا تھے کہ جس چیز کو چند غلاموں اور بے نوا انسانوں نے مانا ہے، اُسے ہم جیسے بڑے لوگ مان لیں گے تو ہماری عزت کو بٹہ لگ جائے گا، اس لئے اللہ تعالیٰ ان کو آخرت میں ذلیل وخوار کرے گا اور ان کے غرور کو خاک میں ملا کر رکھ دے گا۔

فائدہ

یہ تمام آیات اور ان کی تشریح اس حقیقت کو بالکل واضح کیے دیتی ہیں کہ تکبر حق کو قبول کرنے کی راہ کی ایک بہت ہی بڑی رکاوٹ ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جن کے دلوں میں تکبر، غرور اور خود پسندی نہیں ہوتی، وہ جب حق کو سمجھ لیتے ہیں تو پھر نہایت آسانی سے اسے مان بھی لیتے ہیں۔

جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے ذیل کے فرمان سے ظاہر ہے۔

وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ. (السجدہ: ۱۵)

''اور وہ تکبر نہیں کرتے۔''

بالفاظِ دیگر وہ اپنے غلط خیالات کو چھوڑ کر اللہ کی بات مان لینے اور اللہ کی بندگی اختیار کر کے اس کی عبادت بجالانے کو اپنی شان کے خلاف نہیں سمجھتے۔

دینداری پر غرور اور اس کا انجام

جہاں تک دیندار ہونے کا تعلق ہے، صحیح اور سچی دینداری کا تقاضا تو یہ ہے کہ انسان اپنی آخرت کے بارے میں فکرمند رہے اور اپنے نقائص معلوم کرنے اور اُن کی اصلاح کرنے میں کوشاں رہے، نہ کہ یہ سمجھ لے کہ وہ تو عیبوں سے پاک ہے اور باقی ساری دنیا عیب دار اور بے دین ہے۔ جو لوگ ذرا ذرا سی بات پر دوسروں کو ''بدعتی''، ''مشرک'' اور ''کافر'' قرار دیتے رہتے ہیں اور نئے نئے پیر اختیار کر کر کے اپنی نیکوکاری کی تعریف و توصیف کرنے میں لگے رہتے ہیں، وہ درحقیقت یہ واضح کرتے ہیں کہ انہیں سرے سے معلوم ہی نہیں کہ صحیح دینداری ہے کیا۔ دین کی صحیح پہچان انسان میں خوف اور امید پیدا کرتی ہے، غرور اور تکبر پیدا نہیں کرتی۔ ذیل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ احادیث پیش کی جاتی ہیں جو واضح کیے دیتی ہیں کہ کسی انسان کا اس گمان میں مبتلا

ہو جانا کہ تو بڑا دیندار ہوں اور دوسرے لوگ دوزخ کے مستحق ہیں، اس کے اپنے نیک اعمال کو ضائع کر دیتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بنی اسرائیل میں دو شخص تھے جو (قصد کرنے اور سعی کرنے میں) ایک دوسرے کے مقابلے کے تھے۔ ان میں سے ایک (صبح وشام) گناہ کیا کرتا تھا اور دوسرا پوری طاقت خرچ کر کے عبادت کرتا تھا۔ وہ عبادت کرنے والا ہمیشہ دوسرے کو گناہ کرتے دیکھا کرتا تھا اور اسے کہا کرتا تھا کہ باز آجا۔ ایک دن اس نے اسے کوئی گناہ کرتے دیکھا تو کہا کہ باز آجا۔ وہ (گنہ گار) کہنے لگا کہ تو مجھے میرے پروردگار کے ساتھ تنہا چھوڑ دے۔ کیا تو مجھ پر نگران بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اس پر عبادت کرنے والے نے کہا کہ خدا کی قسم! اللہ تمہیں کبھی نہیں بخشے گا۔ یا (یہ کہا کہ) اللہ تجھے جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ پھر خدا نے دونوں کی روحیں قبض کر لیں اور دونوں رب العالمین کے پاس اکٹھے ہو گئے، تو اللہ تعالیٰ نے اس عبادت کرنے والے سے فرمایا کہ کیا تو میرا حال جانتا تھا یا جو کچھ میرے ہاتھ میں ہے، اس پر قدرت رکھتا تھا (کہ تو نے کہہ دیا کہ یہ بخشا نہیں جائے گا یا اسے جنت نہیں ملے گی) اور گنہ گار سے فرمایا کہ جا اور میری رحمت سے جنت میں داخل ہو جا اور دوسرے (یعنی بہت عبادت کرنے والے) کے بارے میں حکم فرمایا کہ اسے دوزخ کی طرف لے جاؤ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اس (عبادت گزار) نے ایک ایسی بات کہہ دی، جس نے اس کی دنیا اور آخرت دونوں کو برباد کر دیا۔ (ابوداؤد)

فائدہ

واضح رہے کہ نیک شخص گناہ کرنے والے کو جو گناہ کرنے سے روکا کرتا تھا، تو اس میں کوئی قابل اعتراض بات نہ تھی، لیکن اس کی جس بات نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا وہ یہ تھی کہ اس نے خود ہی یہ فیصلہ صادر کر دیا کہ خدا کی قسم اللہ تجھے کبھی نہیں بخشے گا یا اللہ تجھے جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ حالانکہ اسے بخشنا یا جنت میں داخل کرنا اس کا کام نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کا کام تھا۔ لہٰذا اس کا یہ اعلان کر دینا کہ وہ گناہ کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا، بذاتِ خود گناہ تھا اور اسی کی اسے سزا ملی۔
اس حدیث سے زیادہ وضاحت کے ساتھ یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اپنی نیکیوں کی بناء پر اتنا متکبر اور دلیر نہیں ہو جانا چاہیے کہ گناہ کرنے والوں کے انجام کے متعلق فتویٰ صادر کرنے شروع کر دیئے جائیں، حالانکہ ان کا انجام اللہ کے ہاتھ میں ہے نہ کہ نیکی کرنے والے کے ہاتھ میں۔

یہی آنے والی کی حدیث میں بھی بیان فرمایا گیا ہے۔

حضرت جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ ایک شخص نے (کسی دوسرے شخص کو بہت گنہگار سمجھتے ہوئے) کہا کہ خدا کی قسم! خدا فلاں کو نہیں بخشے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کون ہے وہ شخص جو مجھ پر قسم کھا رہا ہے کہ میں فلاں کو نہیں بخشوں گا (اے قسم کھانے والے سن لے کہ) میں نے فلاں کو بخش دیا ہے اور (جو دعویٰ تو نے کیا تھا اس کی سزا کے طور پر) تیرے اعمال اکارت کردیئے ہیں۔ (مسلم)

کسی قسم کا دعویٰ بھی متکبرانہ عمل ہے

حضرت سہیل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک آدمی ظاہری طور پر لوگوں کی نگاہ میں جنتیوں کے سے کام کرتا رہتا ہے، لیکن (درحقیقت) وہ دوزخی ہوتا ہے اور (ایسے ہی) ایک شخص ظاہری طور پر لوگوں کی نگاہ میں دوزخیوں کے سے کام کرتا رہتا ہے مگر (درحقیقت) وہ جنتی ہوتا ہے۔" (مسلم)

فائدہ

جب تک انسان سانس لے رہا ہے وہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اگر آج وہ نیک ہے تو ضرور موت آنے تک نیک ہی رہے گا۔ شیطان ہر وقت انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے، وہ کسی وقت بھی اسے بہکا کر دوزخ کا مستحق

بنا سکتا ہے۔ ایسے ہی جن لوگوں کو وہ ان کے بُرے اعمال کے باعث دوزخ کا حقدار سمجھتا ہے، اسے کیا معلوم شاید خدا انہیں ہدایت دے دے اور وہ موت سے پہلے پہلے نیک اعمال کر کے جنت کے حقدار ہو جائیں۔ جیسے کہ بیان کیا جا چکا ہے تکبر اور غرور میں اپنی برتری کے ساتھ ہی دوسرے کی کمتری کا احساس بھی شامل ہوتا ہے اور اپنی دینداری پر غرور کرنے والے جہاں اپنے اعمال کو جنت کا استحقاق دلانے والے سمجھتے ہیں، وہاں دوسروں کو دوزخ کا حقدار بھی سمجھتے ہیں، حالانکہ انہیں قطعی طور پر معلوم نہیں ہوتا کہ در حقیقت اور انجام کار کس نے جنتی ہونا ہے اور کس نے دوزخی۔

جنت اللہ کی رحمت سے ملے گی

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تم میں سے کسی کو اس کا عمل جنت میں نہیں لے جائے گا اور نہ اُسے دوزخ سے بچائے گا، یہاں تک کہ مجھے بھی سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ساتھ دے۔ (مسلم)

فائدہ

اس فرمان سے دینداری پر غرور کرنے کی جڑ ہی کٹ جاتی ہے ۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات والا صفات کو شامل کر کے فرمایا کہ کوئی ایسا نہیں جس کا عمل اسے جنت میں لے جائے۔ یہ صرف اللہ کی رحمت ہی ہے جس کی بنا پر انسان جنت میں جائے گا۔ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کے اس فرمان سے ایک ناقابلِ تردید حقیقت بیان ہوئی ہے۔ باقی اس کا یہ مطلب نہیں کہ چونکہ ہمارے اعمال ہمیں جنت میں نہیں لے جاسکتے، اس لئے ہم نیک اعمال کرنے کی کوشش کرنے کی طرف سے لاپرواہ ہو جائیں۔ وہ تو اپنی جگہ بے حد ضروری ہیں، کیونکہ انسان بندہ ہے اور بندے کا کام فرمانبرداری ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ نیک اعمال کرو۔ لہٰذا بندے کے لئے ضروری ہے کہ جسم و جان کی تمام قوتوں سے کام لے کر اس حکم کی تعمیل میں لگ جائے۔ البتہ اسے اس گمان میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے کہ یہ اعمال ہی اسے جنت کا مستحق بنادیں گے۔ ہمارے اعمال میں اتنی سکت نہیں کہ وہ بذاتِ خود ہی اتنا بڑا نتیجہ پیدا کرلیں۔ یہ نتیجہ تو اللہ کی رحمت ہی سے پیدا ہوگا اور ظاہر ہے کہ اُس کے فرمانبردار بندے اس کی رحمت کے انشاء اللہ زیادہ مستحق ہوں گے۔

آخرت کی بڑائی اصل ہے

اس حقیقت کے پیشِ نظر کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بڑا بھی بنایا ہے اور چھوٹا بھی، اس کے لئے صحیح طرزِ عمل یہی ہے کہ بڑے بڑے کام کرنے کی سعی کرتا رہے مگر رہے چھوٹا بن کر! اسی میں اس کا فائدہ ہے۔ کیونکہ زیادہ بڑا ہونے کی کوشش کرنا درحقیقت اپنے آپ کو عذاب میں ڈالنا ہے۔ انسان تواضع سے کام لے اور آخرت کی بڑائی حاصل کرنے کے لئے دنیا میں چھوٹا بن کر رہنے پر اکتفاء کرلے تو انشاء اللہ یہ دنیوی زندگی بھی نسبتاً

آرام سے کٹے گی۔

آخر میں اس بات کو یاد رکھنا چاہیے کہ تکبر، غرور اور خود پسندی سے پرہیز کرنے کا سب سے بڑا محرک یہ ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ناپسند فرمایا ہے۔

تکبر ختم کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ کی دعا پڑھیئے

ایک حدیث میں آتا ہے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا بھی مانگا کرتے تھے:

اللهم اجعلني في عيني صغيراً وفي اعين الناس كبيراً.

''اے اللہ! مجھے اپنی نظر میں چھوٹا اور دوسروں کی نظر میں بڑا بنا دے۔''

کیونکہ لوگوں کی آنکھوں میں عزت ووقار ہوگی تو وہ دین کی باتیں سنیں گے تو عزت دے لوگوں کی نظر میں تاکہ میں تیرے دین کا کام کرسکوں۔ مگر اپنی آنکھوں میں مجھے چھوٹا بنا دے۔ یہ دعا اللہ رب العزت سے بار بار مانگنی چاہئے جو کہ تکبر ختم ہونے کا ذریعہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اپنی شان نہیں جتاتی

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب سے بڑا بنایا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو، سب سے افضل، سب سے اعظم، سب سے بڑا، مخلوقات میں

جس کی شان سب سے بڑی ہے وہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، لیکن آپ کی تواضع کا یہ حال تھا کہ جب صحابہ کرام کے ساتھ چلتے تھے تو آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کرتے تھے، بلکہ انہیں میں ملے جلے چلتے تھے، صحابہ خود پاسِ ادب سے پیچھے ہو جائیں تو دوسری بات ہے، ورنہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔

بعض صحابہ سے روایت ہے کہ جب ہمارے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوتے، اور ہمارے برابر بیٹھے ہوتے تو آپ کا زانو ہمارے زانو سے آگے نہیں بڑھتا تھا، اس طرح نہیں بیٹھتے تھے جس سے آپ کی کوئی امتیازی شان معلوم ہو۔ صحابہ کرام کی مجلس میں آپ بیٹھتے تھے تو آنے والے اجنبی شخص کو پوچھنا پڑتا تھا کہ:

من محمد فیکم؟

''تم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں۔''

اگر آپ کی کوئی امتیازی شان ہوتی تو آنے والا دیکھ کر ہی یہ سمجھ لیتا کہ یہی وہ صاحب ہیں جن کے لئے میں آیا ہوں، لیکن آپ کی کوئی خاص امتیازی شان نہیں ہوتی تھی، آپ کے پاس ایک شخص آتا ہے، آپ کو دیکھ کر تھر تھر کانپنے لگتا ہے، اس پر ہیبت چھا جاتی ہے، آپ اس سے فرماتے ہیں کہ کیوں ڈرتے ہو؟ میں اس عورت کا بیٹا ہوں جو گوشت سکھا کر استعمال کرتی تھی، آپ نے اپنے کو اس درجہ چھوٹا ظاہر فرمایا، اس لئے تا کہ اس

شخص کے دل سے آپ کی ہیبت کم ہو جائے اور پھر جو بات کہنا چاہتا ہے اطمینان سے ظاہر کر سکے، ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رُعب کا یہ عالم تھا کہ آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

نصرت بالرعب مسیرة شهر.

"مجھے اللہ تعالیٰ نے ایسا رعب عطا فرمایا ہے کہ میرا دشمن ایک مہینے کی مسافت پر ہو تب بھی اس کے دل میں میرا خوف بیٹھ جاتا ہے۔"

لیکن خود آپ کا عالم کیا تھا؟ ایسی مسکنت، ایسی فروتنی، ایسی عاجزی کہ بس کیا عرض کروں، حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک صحابی ہیں، پہلے عیسائی تھے، پھر مسلمان ہوئے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے یہ دیکھنا چاہا کہ آپ بادشاہ ہیں یا نبی؟ یعنی آپ کے اندر بادشاہوں جیسی شان ہے یا نبوت کی شان ہے، پہلے وہ عیسائی تھے، نبیوں کے حالات جانتے تھے، تورات وانجیل کے عالم تھے، وہ یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ آپ کے اندر نبوت کی شان ہے یا بادشاہت کی شان ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں حضور کے پاس مجلس میں بیٹھا رہا، جب آپ مجلس سے اُٹھ کر چلے تو میں بھی ساتھ ہولیا، ایک گلی میں پہنچے تو ایک بڑھیا عورت جس کے دماغ میں غالباً کچھ کمزوری تھی، اس نے آپ سے کہا کہ یا رسول اللہ! مجھے آپ سے کچھ

ضرروت ہے، آپ نے فرمایا کہ تمہیں جہاں بھی ضرورت ہو میں تمہارے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہوں، میں تمہارے ساتھ چلوں گا، جو تمہاری ضرورت ہوگی پوری کروں گا۔ حضرت عدی بن حاتم نے جب یہ بات سنی تو فرماتے ہیں کہ مجھے یقین ہوگیا کہ آپ کے اندر بادشاہت کی شان نہیں ہے، آپ کے اندر نبوت والی شان ہے، کوئی بادشاہ یہ نہیں کرسکتا کہ اپنی رعایا سے کہے کہ مجھے جہاں جی چاہے لے چلو میں تمہاری ضرورت پوری کروں گا۔ وہ اپنے خدام سے، نوکر چاکر سے اور اپنے اعوان وانصار سے کہہ دے گا کہ اس کی ضرورت پوری کردو، بلکہ وہ تو سرے سے بات سننا ہی گوارا نہ کرے گا، یہاں یہ حالت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اس کی ضرورت پوری کرنے کو تیار ہیں۔

دیکھئے جو سب سے بڑے ہیں جن کی عظمت سب سے زیادہ ہے، جو شریعت کی تبلیغ میں یہ فرماتے ہیں کہ:

أنا سيد ولد آدم ولا فخر.

''میں تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں، اور مجھے فخر نہیں ہے۔''

اپنی شان ظاہر کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور تھے، اس لئے یہ بات ارشاد فرمائی، لیکن تواضع کی شان یہ ہے کہ فرماتے ہیں کہ:

لاتفضلوني علىٰ يونس بن متىٰ.

''مجھے یونس بن متیٰ پر فضیلت نہ دو۔''

آپ یقیناً افضل تھے لیکن اس تقابل و تفاضل کی کیا ضرورت ہے ، یہ آپ کی تواضع تھی ، ورنہ دنیا جانتی ہے کہ ایک حضرت یونس علیہ السلام کیا ، آپ تو ہر پیغمبر سے افضل ہیں ، لیکن آپ نے بطور تواضع کے اپنی تفضیل کو منع فرمایا۔ دیکھئے جو انسانیت میں سب سے بڑا ہے ، اس نے ایسی تواضع اختیار کی۔

فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع

جب آپ نے مکہ فتح کیا تو یہ وقت ایسا تھا کہ سب سے اونچا آپ کا سر ہوتا ، ایک وقت تھا کہ رات کی تاریکی میں آپ مکہ سے نکلے تھے ، تین دن تک غارِ ثور میں چھپے رہے ، اور ایک وقت یہ آیا ہے کہ آپ دوبارہ مکہ میں فاتحانہ داخل ہو رہے ہیں ، یہ وقت تھا کہ آپ کا غلبہ تھا ، آپ کی حکومت تھی ، اس وقت اگر آپ کی گردن بہت اونچی ہوتی تو ہو سکتا تھا ، لیکن دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آپ اونٹ پر سوار ہیں ، ایک جگہ سے نعروں کی یہ آواز سنائی دی۔

اليوم يوم الملحمة.

"آج لڑائی کا دن ہے ، جس کا جی چاہے سامنے آ کے دیکھے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا ، یہ کیسی آواز ہے؟

کون لوگ یہ نعرہ لگا رہے ہیں؟ معلوم ہوا کہ فلاں قبیلہ کے سردار یہ نعرہ لگوا رہے ہیں۔ آپ نے انھیں بلوایا اور فرمایا کہ میں نے تم سے یہی کہا ہے؟ تم یہ نعرہ لگاؤ۔

الیوم یوم المرحمة.

''آج رحمت کا دن ہے، مہربانی کا دن ہے، آج لڑنے کا دن نہیں۔''

اور صرف اتنے ہی پر بس نہیں، آپ کو ان کی یہ بات اتنی ناگوار ہوئی کہ آپ نے ان کے ہاتھ سے جھنڈا لے لیا، پھر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری اور تواضع میں اس قدر جھکے جا رہے ہیں کہ آپ کی پیشانی مبارک اس کجاوے سے لگ گئی جس پر آپ بیٹھے ہوئے تھے۔ اونٹ پر ہی آپ تشریف فرما تھے، لیکن اکڑ کر نہیں، بلکہ آپ کا سر مبارک وہیں سجدہ ریز تھا، اور اس شان سے آپ مکہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ یہ تواضع ہے، اس تواضع کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ کسی کو اٹھاتے ہیں، حدیث شریف میں آیا ہے کہ:

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَهُ اللّٰهُ.

''جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلند فرماتے ہیں۔''

لیکن ہمارے زمانہ کی مصیبت یہی ہے کہ چھوٹا سا بچہ بھی ہوگا تو

انتہائی متکبر، وہ بھی اپنے سامنے کسی کو نہیں گردانتا، اور جو بڑا آدمی ہے ظاہر ہے کہ وہ کاہے کا چھوٹا بنے گا، کمتر درجہ کا انسان بھی اپنے کو بڑا سمجھنے کی بیاری میں مبتلا ہے، یہ ایک بہت بڑا مرض ہے، آج جو لوگوں میں آپس میں بگاڑ پھیلا ہوا ہے، اس کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے۔

حضرت ابوذر غفار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وجہ فضیلت

امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے جب حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے تو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سامنے سے آرہے تھے۔ ان کو دیکھ کر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا:

هذا ابو ذر.

''یہ ابوذر آرہے ہیں۔''

جناب نبی کریم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے حیران ہوئے جبرائیل علیہ السلام کی زبان سے ان کا نام سن کر۔ پوچھا جبرائیل! آپ کو کیسے تعارف ہوا ابوذر کے بارے میں۔ تو حضرت جبرائیل علیہ السلام جواب میں فرماتے ہیں:

هو اشهر عندنا منه عندكم.

اے اللہ کے محبوب جتنے ابوذر آپ لوگوں میں مشہور ہیں اس سے زیادہ وہ آسمان کے فرشتوں میں مشہور ہیں۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حیران ہو کر پوچھتے ہیں کہ:

جبرئیل! بماذا نال هذه الفضيلة.

''جبرائیل! ابوذر کو یہ فضیلت کیسے ملی؟''

کہ دنیا میں مشہور ہیں اور فرشتوں میں بھی زیادہ مشہور ہیں۔ تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

لصغره في نفسه.

''ابوذر اپنے آپ میں اپنے کو چھوٹا سمجھتے ہیں۔''

وكثرة قرآته.

اور قرآن مجید کی تلاوت کثرت سے کرنے کی وجہ سے اللہ کے ہاں فرشتوں میں زیادہ مشہور ہیں۔

تو جو بندہ اپنے آپ کو اپنی ذات میں چھوٹا سمجھے وہ بندوں میں تھوڑا بھی مشہور ہو تو اوپر آسمانوں پر اس کی مشہوری زیادہ ہوتی ہے۔ جس کی آسمانوں میں مشہوری ہو تو سبحان اللہ کتنا خوش نصیب انسان ہے۔ لہٰذا آج کے بعد یہی دل میں سوچئے ہم نے اپنے آپ کو چھوٹا بنانا ہے۔ اور دستور بھی یہی ہے کہ جو شخص اس دنیا میں بڑا بننا چاہے تو اس کو چاہئے کہ چھوٹا بن جائے۔

من تواضع للّٰہ رفعه اللّٰہ.

''جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلندی عطا فرماتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ ہم سب کو تکبر سے محفوظ فرمائیں۔ آمین

ہمارے بزرگوں کی شانِ تواضع

۱۔ ہمارے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ:

لوگ اتحاد، اتحاد بہت پکارتے ہیں کہ آپس میں اتفاق ہونا چاہئے، اتحاد ہونا چاہئے، لیکن جو اتفاق و اتحاد کی جڑ ہے اسے کوئی اختیار نہیں کرتا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی جڑ ہے تواضع، آدمی اپنے کو ہر ایک سے چھوٹا سمجھے تو کسی کی کسی سے لڑائی ہوگی ہی نہیں، لڑائی تو اسی پر ہوتی ہے کہ میں بڑا ہوں، میری بات مان لی جانی چاہئے، اور اگر اپنے کو چھوٹا کہہ دے تو پھر کوئی لڑائی نہیں۔

۲۔ ہمارے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف ایک دشمن نے بہت سازشیں کیں،

اس نے دشمنی پس پردہ کی تھی، سامنے کھل کر نہیں کی تھی، آپ جب اس شخص کی بستی میں تشریف لے جاتے تو اس کے دروازے پر ضرور جاتے، اس سے ملتے۔ حضرت مولانا کے معتقدین نے ایک

دوسرے بزرگ سے عرض کیا کہ آپ ان کو فلاں شخص کے دروازے پر جانے سے منع کر دیجئے، اس نے ان کے خلاف اتنی سازشیں کی ہیں، اور وہ ہیں کہ بار بار ان کے دروازے پر جاتے ہیں، ان بزرگ نے اس بات کو سن کر ٹال دیا، دوبارہ لوگوں نے عرض کیا، آپ نے پھر ٹال دیا، سہ بارہ جب لوگوں نے اصرار کے ساتھ عرض کیا تو انھوں نے فرمایا بھائی! میں ایسے شخص کو کیا منع کروں جو اپنے دل میں یہ سمجھتا ہے کہ دنیا کا سب سے کمتر انسان میں ہوں، مجھ سے گھٹیا کوئی نہیں ہے دنیا کا ہر شخص مجھ سے بدرجہا افضل ہے، جو شخص اپنے کو ایسا خیال کرتا ہو اس سے میں کیا کہوں، وہ تو یہی کہہ دیں گے کہ میں سب سے بدتر ہوں، یہ لوگ مجھ سے بدرجہا بہتر ہیں پھر میں کیوں نہ ان سے ملوں۔

۳۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حدیث کا سبق پڑھا رہے تھے، جب یہ حدیث آئی کہ:

لاتفضلونی علیٰ یونس بن متیٰ.

''مجھے یونس بن متیٰ پر فضیلت نہ دو۔''

تو طلبہ نے اِشکال کیا کہ حضرت یہ کیسے ہوسکتا ہے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت یونس علیہ السلام سے افضل تھے، تو آپ یہ کیسے کہہ سکتے تھے کہ مجھے یونس پر فضیلت نہ دو۔ مولانا نے فرمایا بھائی یہ تواضع ہے

،کوئی شخص خواہ کتنا ہی بڑا ہو اللہ کی شان اتنی بڑی ہے کہ اس کے سامنے جب اپنے کو دیکھتا ہے تو اپنے کو اس قدر چھوٹا اور حقیر محسوس کرتا ہے کہ اسے اپنی کوئی شان نظر نہیں آتی، خواہ کوئی نبی ہو یا ولی ہو، خدا کی عظمت کا جب استحضار کرتا ہے تو اپنی شان بالکل فنا معلوم ہوتی ہے، یہ نبی کا کمال ہے اور ہر بندے کا کمال یہی ہے کہ خدا کے سامنے اپنے کو اتنا پست کردے کہ اس سے زیادہ پستی کا تصور بھی نہ ہو سکے، تو فرمایا کہ رسول اللہ علیہ السلام کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی عظمت تھی، اس عظمت کے سامنے آپ کو اپنی کوئی حقیقت نظر نہیں آتی تھی، یہ تو کمال تھا اور یہ تواضع تھی۔ طلبہ کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی، جب آپ افضل تھے تو کیونکر اس کو منع کر سکتے ہیں، آپ نے سمجھایا کہ بھائی یہ مطلق تواضع ہے، چونکہ خدا کی عظمت پیش نظر تھی اس لئے اپنی کوئی حقیقت نظر نہیں آتی تھی، ایسی حالت میں بھلا دوسروں کے اوپر اپنی افضلیت ثابت کرنے کی اجازت کیسے دیں گے، لیکن طلبہ اِشکال پر اِشکال کرتے رہے یہاں تک کہ اس دن کا سبق اسی اِشکال میں چلا گیا، جب حضرت نے دیکھا کہ سبق کا وقت ختم ہو رہا ہے تو فرمایا کہ اچھا میاں! ایک بات بتاؤ کہ تم لوگ مجھے کیسا سمجھتے ہو؟ طلبہ حضرت کا مقصد نہ سمجھے، کہنے لگے حضرت ہم آپ کو اللہ کا ولی، انتہائی بزرگ اور زبردست متبحر عالم دین سمجھتے ہیں، ارشاد فرمایا اچھا یہ

بتاؤ مجھے سچا بھی سمجھتے ہو یا نہیں؟ کہنے لگے حضرت جب ہم نے آپ کو اولیاء اللہ میں مان لیا تو آپ کو جھوٹا سمجھنے کا کیا معنی، ہم بالکل سچا سمجھتے ہیں۔ فرمایا جو کہوں گا اسے مانو گے، عرض کیا بالکل۔ فرمایا میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم میں سے ہر ہر فرد کو اپنے سے ہزار درجہ افضل سمجھتا ہوں، آپ نے یہ بات کچھ اس انداز سے ارشاد فرمائی کہ تمام طلبہ بے تاب ہو گئے، ان کی چیخیں بلند ہو گئیں، بعض تو روتے روتے بیہوش ہو گئے، اور آپ اتنا فرما کر فوراً حجرہ میں تشریف لے گئے۔ دوسرے دن مولانا نے سبق میں فرمایا کہ کہو بھئی بات سمجھ میں آ گئی، طلبہ نے عرض کیا حضرت بالکل سمجھ گئے، بات یہی ہے جو آدمی جتنا بڑا ہوتا ہے اس کی بڑائی کی دلیل یہی ہے کہ وہ اپنے کو چھوٹا سمجھتا ہے، اور جو آدمی اپنے کو بڑا سمجھتا ہے تو یہی بات اس کے چھوٹے اور کمینہ ہونے کی دلیل ہے کہ وہ اس پندار میں مبتلا ہے کہ میں بڑا ہوں۔

حضرت مولانا مظفر حسین صاحبؒ اور تواضع

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ کسی جگہ سے واپس کاندھلہ تشریف لا رہے تھے جب ریل گاڑی سے کاندھلے کے اسٹیشن پر اترے تو وہاں دیکھا کہ ایک بوڑھا آدمی سر پر سامان کا بوجھ اٹھائے جا رہا ہے، اور بوجھ کی وجہ سے اس سے چلا نہیں جا رہا ہے، آپ کو

خیال آیا کہ یہ شخص بیچارہ تکلیف میں ہے، چنانچہ آپ نے اس بوڑھے سے کہا کہ آپ اجازت دیں تو آپ کا تھوڑا سا بوجھ اٹھالوں اس بوڑھے نے کہا آپ کا بہت شکریہ اگر آپ تھوڑا سا اٹھالیں۔ چنانچہ مولانا صاحب اس کا سامان سر پر اٹھا کر شہر کی طرف روانہ ہوگئے، اب چلتے چلتے راستے میں باتیں شروع ہوگئیں، حضرت مولانا نے پوچھا کہ کہاں جارہے ہیں؟ اس نے کہا کہ سنا ہے کہ وہاں ایک بڑے مولوی صاحب رہتے ہیں ان سے ملنے جارہا ہوں۔ مولانا نے پوچھا کہ وہ بڑے بولوی صاحب کون ہیں؟ اس نے کہا مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی، میں نے سنا ہے کہ وہ بہت بڑے مولانا ہیں، بڑے عالم ہیں؟ مولانا نے فرمایا کہ ہاں وہ عربی تو پڑھ لیتے ہیں...... یہاں تک کہ کاندھلہ قریب آگیا، کاندھلہ میں سب لوگ مولانا کو جانتے تھے، جب لوگوں نے دیکھا کہ مولا مظفر حسین صاحب سامان اٹھائے جارہے ہیں تو لوگ ان سے سامان لینے کے لئے اور ان کی تعظیم و تکریم کے لئے ان کی طرف دوڑے۔ اب ان بڑے میاں کی جان نکلنے لگی اور پریشان ہوگئے کہ میں نے اتنا بڑا بوجھ حضرت مولانا پر لاد دیا...... چنانچہ مولانا نے ان سے کہا کہ بھائی اس میں پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں، میں نے دیکھا کہ تم تکلیف میں ہو، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس خدمت کی توفیق دیدی، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ (اللہ اکبر)

انسان کی ابتداء وانتہا ایسی نہیں کہ تکبر کرے

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کہیں تشریف لے جارہے تھے ،بصرہ کا حاکم اس وقت ایک نہایت مغرور ومتکبر شخص تھا، بات بات پر لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتا تھا، راستہ میں اس کی ملاقات مالک بن دینار سے ہوگئی، حضرت مالک بن دینار کسی خاص حال میں چلے جارہے تھے، انھوں نے اس کو سلام نہیں کیا، حاکم کو بڑا طیش آیا، اس نے بپھر کر اپنے مصاحب سے پوچھا یہ کون ہے؟ مصاحب حضرت مالک بن دینار کا معتقد تھا، اس نے سوچا مفت میں ابھی ان کی جان چلی جائے گی، اس نے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لئے کہا کہ حضور یہ مالک بن دینار ہیں، بصرہ کے سب سے بڑے عابد وزاہد، انھوں نے حضور کو پہچانا نہیں ورنہ ضرور سلام کرتے، حضرت مالک بن دینار کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ مجھ سے زیادہ اس شخص کو کون پہچانے گا، میں اسے خوب پہچانتا ہوں، پھر جن لفظوں میں اس کا تعارف کرایا وہ سننے کے قابل ہے۔

فرماتے ہیں:

أوله نطفة.

''اس کی ابتداء تو ایک ناپاک قطرہ ہے۔''

ظاہر ہے کہ انسان ایک ناپاک قطرہ ہی ترقی یافتہ شکل ہے،

آخره جيفة.

''اور آخر میں مردار ہو جائے گا۔''

وبينهما قذرة وعذرة.

''اور دونوں کے درمیانی وقفہ میں کچھ نجاست اور کچھ گندگی لئے پھرتا ہے۔''

ظاہر ہے بدن میں دوڑنے والا خون بھی نجس، اور پیٹ میں بھری ہوئی غلاظت بھی ناپاک ہے۔ اسی کی طرف حضرت مالک بن دینار نے اشارہ فرمایا، بصرہ کا حاکم اس بات کو سن کر سناٹے میں آ گیا اور خاموشی سے چلا گیا۔

اسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

بئس العبد عبد عتا وطغىٰ.

''برا ہے وہ بندہ جو سرکشی کرتا ہے اور طغیان اٹھاتا ہے۔''

نسي المبتدأ والمنتهىٰ.

''اور اپنی ابتدا اور انتہا بھول جاتا ہے۔''

اور ارشاد فرماتے ہیں:

بئس العبد عبد طمع يقوده.

''برا ہے وہ بندہ جس پر ایسی حرص اور لالچ مسلط ہے کہ وہ اسی حرص اور لالچ کے پیچھے لگا رہتا ہے۔''

بئس العبد عبد ھوی یضلہ.

''برا ہے وہ بندہ جس کو اس کی خواہش نفس گمراہ کرتی

ہے اور بھٹکاتی پھرتی ہے۔''

بئس العبد عبد رغب یذلہ.

''برا ہے وہ بندہ جو کسی چیز کی رغبت اور عشق میں پڑ کر

ذلیل ہوتا پھرتا ہے۔''

اللہ کے علاوہ دل میں کسی چیز کی رغبت نہ ہونی چاہئے، اور اگر دنیا کی رغبت کسی شخص کے دل میں گھس گئی ہے تو وہ بہت برا بندہ ہے۔

شیخ سعدیؒ کی بیان کردہ ایک حکایت

شیخ سعدی نے گلستاں میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک گاؤں میں کوئی چودھری تھا، سب گاؤں والے اس کی تعظیم کرتے تھے، اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے، سب اس سے ڈرتے تھے، اتفاقاً ایک بار ادھر سے تحصیل دار آنکلا، اب تو یہ چودھری صاحب اس کے سامنے ہاتھ باندھے تھر تھر کانپ رہے تھے، اس کے بیٹے نے باپ کی جو یہ حالت دیکھی تو اسے بہت تعجب ہوا، تحصیل دار کے جانے کے بعد اس نے باپ سے پوچھا کہ ابا جان ہمیشہ تو لوگ آپ کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے تھے اور آپ سے ڈرتے تھے، آج آپ کو کیا ہو گیا تھا کہ آپ خود اس شخص

کے سامنے ہاتھ باندھے کانپ رہے تھے، اس نے کہا کہ گاؤں کے سب لوگ مجھ سے چھوٹے ہیں، اس لئے وہ میرے سامنے تعظیم سے کھڑے ہوتے ہیں، یہ تحصیلدار صاحب مجھ سے بڑے ہیں، اس لئے ان کے سامنے میری سب بڑائی فنا ہوگئی تھی، اب ان کے ہوتے ہوئے مجھے بڑائی ہرگز زیب نہیں دیتی، اور اگر میں اپنی بڑائی ظاہر کرتا تو سزا ہوجاتی، اگر بڑے کے سامنے کوئی بڑائی ظاہر کرتا ہے تو اس پر مولانا روم کی بیان کردہ ایک مثال صادق آتی ہے۔ مولانا روم کو واقعات اور مثالوں سے مسائل حل کرنے کا بڑا ملکہ حاصل ہے۔

انھوں نے ایک تمثیلی واقعہ لکھا ہے کہ ایک شیر ایک بھیڑیا اور ایک لومڑی تینوں میں ایک مرتبہ دوستی ہوگئی، تینوں مل کر شکار پر نکلے، ظاہر ہے کہ شیر بڑا جانور ہے، اسی نے شکار کئے، اس نے تین جانور مارے، ایک نیل گائے، ایک ہرن اور ایک خرگوش، شکار سے فارغ ہوکر اس نے بھیڑیئے سے کہا کہ اسے ہمارے درمیان تقسیم کردو، بھیڑیئے نے کہا کہ اچھا حضور ابھی تقسیم کئے دیتا ہوں، معاملہ تو بہت سہل ہے، حضور بڑے ہیں اور نیل گائے بڑی ہے، اسے آپ تناول فرمائیں، لومڑی چھوٹی ہے خرگوش بھی چھوٹا ہے اسے لومڑی کھالے، میں درمیانی ہوں، آپ سے چھوٹا اور لومڑی سے بڑا، اور ہرن درمیانی ہے اسے میں کھالیتا ہوں،

شیر نے دیکھا کہ میرے ہوتے ہوئے یہ اپنے کو بھی کسی گنتی میں رکھتا ہے، اسے بہت غصہ آیا، اس نے ایک زوردار تھپڑ بھیڑیئے کو رسید کیا، وہ تو زخمی ہو کر دور جا گرا، میرے ہوتے ہوئے بھی اس کی اپنی بڑائی قائم ہے، پھر اس نے لومڑی سے کہا کہ تو تقسیم کر، یہ معاملہ دیکھ کر لومڑی کی عقل روشن ہو چکی تھی، اس نے کہا حضور خرگوش چھوٹا جانور ہے، اسے آپ ناشتہ میں تناول فرمالیں، دوپہر کے کھانے میں ہرن کو رکھ لیں، اور شام کے کھانے میں صبح تک چونکہ لمبا وقفہ ہوتا ہے، اس لئے شام کے واسطے نیل گائے مناسب رہے گی۔ شیر کو یہ تقسیم پسند آئی، وہ ہنسا اور پوچھا کہ تم کو یہ عقل کہاں سے آئی، بہت عمدہ تقسیم کی۔ کہنے لگی ان کے حال سے جو گرے پڑے ہیں۔ اگر آپ پہلے مجھ سے تقسیم کراتے تو شاید میں بھی یہی تقسیم کرتی، اس معاملہ سے میری عقل کھل گئی۔

فائدہ

اس واقعہ سے دو نتیجہ نکلتا ہے، ایک یہ کہ اگلی قومیں جو ہم سے پہلے نافرمانیوں میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوئیں اور قرآن کریم نے ان کے واقعات نقل کئے ہیں، یہ ہمارے اوپر بڑا احسان ہے، ان کے حالات سے ہمیں سبق لینا چاہئے، جیسا کہ لومڑی نے سبق لیا، بھیڑیئے کی حالت سے۔ اور اگر ہم گذشتہ اقوام کی بربادیوں سے سبق نہ لیں تو اس کا

مطلب یہ ہوا کہ ہماری حالت لومڑی سے بھی گئی گذری ہے، اور دوسرا یہ کہ آدمی کسی بڑے کے ہوتے ہوئے اپنے کو بڑا سمجھتا ہے تو یونہی مار کھاتا ہے۔ اب بتایئے کہ خداوند عالم سے بڑا کون ہے؟ اور کون ہے جو خداوند عالم کے سامنے نہیں؟ خدا موجود ہے، وہ ہر جگہ ہم کو دیکھ رہا ہے، ہر وقت ہم اس کے سامنے ہیں، اگر اس کے بعد بھی کوئی اپنے کو بڑا سمجھے تو اس سے زیادہ ذلیل کوئی نہیں، خدا کی نگاہ میں اس سے زیادہ سزا کا مستحق کوئی نہیں، وہ جہنم میں ہی جانے کا مستحق ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں تواضع وانکساری عطا فرمائے اور تکبر وغرور سے ہماری حفاظت فرمائے۔ (آمین)

انسان کو اپنی حقیقت اور اصلیت یاد رکھنا چاہئے

یہ تو ہے انسان کی بڑائی کہ وہ زمین میں خالق کائنات کا نائب ہے۔ اب اس کی چھوٹائی یہ ہے کہ اپنے پاک کلام ہی میں اللہ تعالیٰ نے اِس کے لئے ایسے الفاظ استعمال فرمائے ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بڑا کمزور ہونے کے علاوہ بہت سی اور بھی ایسی صفات رکھتا ہے جو ناپسندیدہ ہیں۔

خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا. (النساء:۲۸)

''انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔''

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ. (العدیٰت:۶)

''بیشک انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔''

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ. (ابراھیم: ۳۴)

''بیشک انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے۔''

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا. (المعارج: ۹)

''بے شک انسان بہت کم حوصلہ پیدا کیا گیا ہے۔''

وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا. (بنی اسرآئیل: ۱۰۰)

''واقعی انسان بڑا تنگ دل واقع ہوا ہے۔''

اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا. (الاحزاب: ۷۲)

''بیشک وہ (یعنی انسان) بڑا ظالم اور بڑا جاہل ہے۔''

كَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا. (الکھف: ۵۴)

''انسان بڑا ہی جھگڑالو واقع ہوا ہے۔''

اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ. (ھود: ۹)

''بیشک وہ (یعنی انسان) بہت مایوس ہو جانے والا، بڑا ناشکرا ہے۔''

كَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا. (بنی اسرائیل: ۱۱)

''انسان بڑا ہی جلد باز واقع ہوا ہے۔''

وَ اِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا.

(الشوری: ۴۸)

''انسان کا حال یہ ہے کہ جب ہم اُسے اپنی رحمت

کا مزا چکھاتے ہیں تو اس پر پھول جاتا ہے۔''

پھر انسان کو اس کی اصلیت کا احساس دلانے کے لئے اسے بتایا گیا ہے کہ اسے ایک ایسی چیز سے پیدا کیا گیا ہے جو حقیر سمجھی جاتی ہے۔

بَدَا خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ. (السجدہ:۷)

''اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کی ابتدا گارے سے کی۔''

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ.

(الرحمٰن:۱۴)

''اللہ نے انسان کو ٹھیکری جیسے سوکھے سڑے گارے سے بنایا۔''

یہ ہے انسان کی حقیقت، لہٰذا تکبر سے پہلے اپنی اصلیت کی طرف ضرور غور کرنا چاہئے

فاعتبروا یا اولیٰ الابصار

تکبر ہمارے زمانہ کا خاص مرض ہے، اس مرض کی قباحت اور شناعت ظاہر کرنے کے لئے میں نے یہ حدیثیں آپ کو سنا دیں، آپ سمجھئے کہ یہ کتنی بری چیز ہے، اسی کو حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ فرماتے تھے کہ اگر انسان کو تکبر اور اس کی غلاظت کا اِدراک ہو جائے تو اسے قے آ جائے گی کہ اُف کس قدر گندی چیز ہے، تکبر کے ہوتے ہوئے انسان جنت کا مستحق نہیں ہوتا۔ اسی کو اللہ تعالیٰ

نے ارشاد فرمایا ہے:

تِلْکَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ
لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا
وَّالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ.

یہ عالم آخرت ہم ان لوگوں کے لئے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا، اور نیک نتیجہ متقیوں کے لئے ہے۔

اب آپ سمجھ لیجئے کہ کبر کے بارے میں قرآن وحدیث میں یہ جو وعید آئی ہے کہ متکبر جنت کا مستحق نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ تکبر اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کا پورا بدلہ یہی ہے کہ انسان جنت سے محروم کردیا جائے اور جہنم میں جائے، اور اس میں کوئی زیادتی اس کے اوپر نہیں کی جارہی ہے، خدا کی عظمت وکبریائی کے ہوتے ہوئے اگر کوئی شخص اپنے دل میں بڑائی محسوس کرتا ہے تو وہ ایسی ہی سزا کا مستحق ہے، جس کا ذکر قرآن وحدیث میں آیا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ہم کو اس بیماری سے محفوظ رکھیں، جہنم سے بچائیں اور جنت میں جگہ عطا فرمائیں۔ آمین

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

تقویٰ کے برکات وثمرات

افادات

پیر طریقت رہبر شریعت

حضرۃ مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تلمیذ رشید

شیخ الاسلام حضرۃ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز

مرشد الموحدین قطب الاقطاب حضرۃ مولانا حماد اللہ ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب وتزئین

عاصم عبداللہ

کرمی دار الکتب کراچی
جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی 2 کراچی 75230
0333-2124384

اللہ کے خوف سے نکلنے والے آنسوؤں کی برکت

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَامِنْ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ یَخْرُجُ مِنْ عَیْنَیْہِ دُمُوْعٌ وَاِنْ کَانَ مِثْلَ رَأْسِ الذُّبَابِ مِنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ ثُمَّ یُصِیْبُ شَیْئًا مِنْ حُرِّ وَجْھِہٖ اِلَّا حَرَّمَہُ اللّٰہُ عَلَی النَّارِ.

(رواہ ابن ماجہ)

’’حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کے خوف اور ہیبت سے جس بندۂ مومن کی آنکھوں سے کچھ آنسو نکلیں، اگرچہ وہ مقدار میں بہت کم، مثلاً مکھی کے سر برابر (یعنی ایک قطرہ ہی کے بقدر) ہوں، پھر وہ آنسو بہہ کر اس کے چہرہ پر پہنچ جائیں، تو اللہ تعالیٰ اس چہرہ کو آتش دوزخ کے لئے حرام کردے گا۔‘‘

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدُ للّٰہِ نحمدہ علیٰ ما انعم وعلّمنا ما لم نعلم والصّلوٰۃ علیٰ افضل الرسل واکرم. وعلیٰ آلہٖ وصحبہ وبارک وسلم. اما بعد!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ.

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم .

قال اللّٰہ تبارک و تعالیٰ: یا ایھا الذین اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰہ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلاَ تَمُوْتُنَّ اِلاَّ وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ.

''اے ایمان والو! دل میں اللہ کا ویسا ہی خوف رکھو جیسا خوف رکھنا اس کا حق ہے اور خبردار! تمہیں کسی اور حالت میں موت نہ آئے، بلکہ اس حالت میں آئے کہ تم مسلمان ہو''

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلاً سَدِیْدًا . یُصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْلَکُمْ

ذُنُوبَكُمْ ط وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا .

''اے ایمان والوں اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہو اللہ تمہارے فائدے کیلئے تمہارے کام سنوار دیگا اور تمہارے گناہوں کی مغفرت کر دے گا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اس نے وہ کامیابی حاصل کر لی جو زبردست کامیابی ہے۔''

ان دونوں آیتوں میں تقویٰ کا ذکر کیا گیا ہے تقویٰ کیا ہے؟ کسے کہتے ہیں؟ آج کی نشست میں اسی کا بیان مقصود ہے۔

تقویٰ کا معنیٰ ومفہوم

تقویٰ کا معنی ہے ڈرنا اور بچنا، یعنی کسی ایسی چیز سے بچنا جس سے مضرت اور نقصان کا اندیشہ ہو۔

لیکن یہاں تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ انسان اللہ سے اس کے غضب اور عذاب سے ڈرے اور ہر اس کام سے بچے جسمیں اللہ کی ناراضگی اور اس پر عذاب کا اندیشہ ہو...... یعنی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ہدایات کی خلاف ورزی سے بچنا تقویٰ کا حاصل ہے۔

تقویٰ کے متعلق صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین کے ارشادات

امت کے اکابرین نے تقویٰ کی تفسیر خوب اچھی طرح بتائی ہے

تا کہ ہر بندہ سمجھ لے کہ تقویٰ ہوتا کیا ہے؟

☆ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

مَا التَّقْوٰی؟ ''تقویٰ کیا ہے؟''

حضرت ابی کعبؓ نے فرمایا: اے امیر المؤمنین

اَمَا تَلْقٰی طَرِیْقًا فِیْهِ شَوْکًا؟

''کیا کبھی ایسے راستے سے گزرے ہیں جس کے دونوں اطراف کانٹے ہوں؟''

قَالَ نَعَمْ　''کہا کہ ہاں''

فَقَالَ مَاذَا فَعَلْتَ؟.

''تو اس وقت آپ نے کیا کیا اور کیسے گزرے؟''

حضرت عمرؓ نے عرض کیا:

اُشَمِّرُ عَنْ سَاقِیْ وَاَنْظُرُ اِلٰی مَوَاضِعِ قَدَمِیْ وَاُقَدِّمُ قَدَمًا وَاُءَ خِّرُ اُخْرٰی مَخَافَةَ اَنْ تُصِیْبَنِیْ شَوْکَةٌ.

''جب میں گزرنے لگا تو میں نے اپنے تہبند کو چادر کو ذرا اوپر اٹھالیا اور ان کو سمیٹ لیا اور پھر جہاں قدم رکھتا تھا پہلے اس جگہ کو دیکھتا تھا، ایک قدم اٹھاتا تھا، پھر ایک قدم اٹھاتا تھا جہاں کانٹے نہیں ہوتے تھے اور دوسرا قدم ہٹاتا تھا جہاں

کانٹے ہوتے تھے"

کانٹے والی جگہ سے تو بچ کر گزرا، ڈرتا کہ کوئی کانٹا چبھ نہ جائے۔

وَقَالَ اُبَیُّ ابْنُ کَعْبٍ: تِلْکَ التَّقْوٰی

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسی کا نام تقویٰ ہے۔

☆ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اَلتَّقْوٰی هِیَ الْخَوْفُ مِنَ الْجَلِیْلِ وَالْعَمَلُ بِالتَّنْزِیْلِ وَالْقَنَاعَةُ بِالْقَلِیْلِ وَالْاِسْتِعْدَادُ لِیَوْمِ الرَّحِیْلِ.

"اللہ رب العزت سے ڈرنا اور قرآن مجید کے مطابق اعمال کو اپنانا تھوڑے پر قناعت کرلینا اور موت کی تیاری کرنا۔"

☆ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

اَلْمُتَّقِیُّ الَّذِیْ یَتَّقِی الشِّرْکَ وَالْکَبَآئِرَ وَالْفَوَاحِشَ.

"جو شرک سے، کبائر سے، اور فواحش سے، بچے وہ متقی ہوتا ہے"۔

☆ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اَلتَّقْوٰی اَنْ لَّا یَرٰی (نَفْسَهٗ) خَیْرًا مِنْ اَحَدٍ.

"تقویٰ یہ ہے کہ اپنے کو کسی سے بہتر نہ سمجھے"۔

یعنی اپنے آپ کو ہر ایک سے کم تر سمجھے۔

☆ امام ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

اَصلُ التَّقوَىٰ اَنْ يَّجعَلَ العَبْدُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَا يَخَافُهُ وَيَحْذَرُهُ وَقَايَةً تَقِيهِ مِنْهُ .

”تقویٰ یہ ہے کہ جو چیزیں انسان کو اللہ سے دور کردیتی ہیں بندہ اپنے اور ان چیزوں کے درمیان ایک آڑ بنالے کہ کرنا بھی چاہے تو نہ کرسکے۔“

☆ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

اِنَّمَا سَمُّوْ مُتَّقِيْن لِاَنَّهُمْ اِتَّقُوْا مَالَا يُتَّقىٰ.

”کہ متقیوں کو متقی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ بچتے ہیں ان چیزوں سے جن سے عام لوگ نہیں بچتے۔“

☆ کسی بزرگ نے یہ بھی کہا:

اَلْمُتَّقِيُّ مَنْ ؟ اِذَا قَالَ قَالَ لِلّٰهِ، اِذَا سَكَتَ سَكَتَ لِلّٰهِ، وَاِذَا ذَكَرَ ذَكَرَ لِلّٰهِ تَعَالىٰ.

”متقی وہ ہوتا ہے کہ جب وہ بولے تو اللہ کے لیے بولے، چپ ہو تو اللہ کے لیے چپ ہو، اگر وہ ذکر کرے تو اللہ ہی کا تذکرہ کرے۔“

☆ اور ایک بزرگ نے عجیب الفاظ میں بات فرمائی کہ تقویٰ یہ ہے:

اَنْ تَزَيَّنَ سِرَّكَ لِلْحَقِّ كَمَا تُزَيِّنُ عَلَانِيَتَكَ لِلْخَلْقِ.

”کہ تو اپنے باطن کو اللہ کے لیے اس طرح مزین کر لے
جیسے تو اپنے ظاہر کو مخلوق کے لیے مزین کرتا ہے۔“

فائدہ

جب مخلوق سے ملنا ہو تیاری کر کے جاتے ہیں، کسی میٹنگ میں جانا ہو تو لوگ نہا دھو کر، اچھے کپڑے پہن کر، صاف ستھرے ہو کر جاتے ہیں کہ جی میری میٹنگ فلاں صاحب کے ساتھ ہے۔ شادی کے موقع پر میاں نے بیوی سے ملنا ہوتا ہے تو دیکھو کیسے بن سنور کے ملتے ہیں، انٹرویو کے لیے جانا ہو تو کیسے صاف ستھرے ہو کر جاتے ہیں، تو جیسے مخلوق کے ملاپ اور ملاقات کے لیے اپنے آپ کو اس طرح تیار کرتے ہیں تو ایسے ہی اپنے آپ کو اللہ کی ملاقات کے لیے تیار کرنا، اس کا نام تقویٰ ہے۔

اہلِ کتاب کو بھی تقویٰ کی وصیّت

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ.

”اور ہم نے تم سے پہلے جو اہل کتاب تھے ان کو بھی یہ وصیت کی“۔

وَاِيَّاكُمْ.

”اور تمہیں بھی یہی وصیت اور نصیحت کرتے ہیں کہ“۔

اَنِ اتَّقُوا اللّٰہَ.

''اللہ سے ڈرو''۔

یہاں اس حکم کی اہمیت کا اندازہ لگائیں کہ پروردگار فرما رہے ہیں کہ تم سے پہلے لوگوں کو بھی ہم نے یہ نصیحت کی اور تمہیں بھی کر رہے ہیں کہ تقویٰ اختیار کرلو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس کا موضوع فکر آخرت اور خوف خدا

ایمان کے بعد انسان کی زندگی کو سنوارنے اور فلاح کے مقام تک اس کو پہنچانے میں چونکہ سب سے بڑا دخل اللہ تعالیٰ کے خوف و خشیت اور آخرت کی فکر کو ہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت میں ان دو چیزوں کے پیدا کرنے کی خاص کوشش فرمائی، کبھی اس خوف وفکر کے فوائد اور فضائل بیان فرماتے، اور کبھی اللہ تعالیٰ کے قہر وجلال اور آخرت کے ان سخت احوال کو یاد دلاتے، جن کی یاد سے دلوں میں یہ دونوں کیفیتیں پیدا ہوتی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس کا خاص موضوع گویا یہی تھا، اور صحابہ کرام جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، آخرت اور جنت ودوزخ کے متعلق آپ کے ارشادات سنتے تھے، تو ان کا حال یہ ہوجاتا تھا کہ جنت ودوزخ گویا ان کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔

حدیث کے ذخیرے سے اگر ایسی احادیث جمع کی جائیں، جن کا مقصد خدا کا خوف اور آخرت کی فکر پیدا کرنا ہے، تو بلاشبہ ایک پوری کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تقویٰ کی وصیت

عَنْ مَعَاذِبْنِ جَبَلٍ رضی الله تعالیٰ عنه قَالَ لَمَّا بَعَثَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمِنِ خَرَجَ مَعَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْصِيْهِ وَمَعَاذٌ رَاكِبٌ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْشِىْ تَحْتَ رَاحِلَتِهٖ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ يَا مَعَاذُ إِنَّكَ عَسىٰ اَنْ لاَ تَلْقَانِىْ بَعْدَ عَامِىْ هٰذَا وَلَعَلَّكَ اَنْ تَمُرَّ بِمَسْجِدِىْ هٰذَا وَقَبْرِىْ فَبَكىٰ مَعَاذٌ جُشَعًا لِفِرَاقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ الْتَفَتَ فَاَقْبَلَ بِوَجْهِهٖ نَحْوَ الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِىَ الْمُتَّقُوْنَ مَنْ كَانُوْا وَحَيْثُ كَانُوْا.

(رواه احمد)

''حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جب ان کو یمن
کے لئے (قاضی یا عامل بنا کر) روانہ فرمایا (اور وہ
حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حکم کے مطابق وہاں
کے لئے روانہ ہونے لگے) تو (ان کو رخصت کرنے
کے لئے) حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم بھی اُن کو کچھ
نصیحتیں اور وصیتیں فرماتے ہوئے ان کے ساتھ چلے،
اس وقت حضرت معاذ تو (حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم
کے حکم سے) اپنی سواری پر سوار تھے، اور حضور صلی اللہ
علیہ والہ وسلم خود ان کی سواری کے ساتھ نیچے پیدل
چل رہے تھے۔ جب آپ ضروری نصیحتوں اور
وصیتوں سے فارغ ہو چکے، تو آخری بات آپ نے
یہ فرمائی کہ: ''اے معاذ! شاید میری زندگی کے اس
سال کے بعد میری تمہاری ملاقات اب نہ ہو۔ (گویا
آپ نے ان کو اشارہ فرمایا کہ میری زندگی کا یہی
آخری سال ہے، اور میں عنقریب ہی اس دنیا سے
دوسرے عالم کی طرف منتقل کیا جانے والا ہوں۔ اس
کے بعد آپ نے فرمایا) اور شاید ایسا ہو کہ (اب جب

کبھی تم یمن سے واپس آؤ، تو بجائے مجھ سے ملنے کے
مدینہ میں) تم میری اس مسجد اور میری قبر پر گذرو۔ یہ
سن کر حضرت معاذ (حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی
وفات کے تصور، اور) آپ کے فراق کے صدمہ سے
رونے لگے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی
طرف سے منہ پھیرا، اور مدینہ کی طرف رُخ کر کے
فرمایا: ”مجھ سے بہت زیادہ قریب اور مجھ سے زیادہ
تعلق رکھنے والے وہ سب بندے ہیں، جو خدا سے
ڈرتے ہیں (اور تقوے والی زندگی گذارتے ہیں) وہ
جو بھی ہوں، اور جہاں کہیں بھی ہوں۔“

فائدہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے اس آخری حصہ کا مطلب یہ ہے کہ اصل چیز روحانی تعلق اور قرب ہے، اور میرے ساتھ اس تعلق کا دارومدار تقوے پر ہے، پس اگر اللہ کا کوئی بندہ جسمانی طور پر مجھ سے کتنی ہی دور یمن میں، یا دنیا کے کسی بھی حصہ میں ہو، لیکن اس کو خوف خدا اور تقویٰ نصیب ہو، تو وہ مجھ سے قریب ہے اور گویا میرے ساتھ ہے، اور اس کے برعکس کوئی شخص ظاہری اور جسمانی طور پر میرے ساتھ ہو، لیکن اس کا دل تقوے کی دولت سے خالی ہو، تو اس ظاہری قرب کے باوجود وہ مجھ سے دور ہے، اور میں اس سے دور ہوں۔

آپ نے اس ارشاد کے ذریعہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو تسلی دی کہ اس ظاہری جدائی کا غم نہ کرو، جب خوفِ خدا اور تقویٰ تمہارے دل، اور تمہاری روح کو نصیب ہے، تو پھر تم یمن میں رہتے ہوئے بھی مجھ سے دور نہ ہو گے۔

اس کے علاوہ دنیا کی یہ زندگانی تو بس چند روزہ ہے، ہمیشہ رہنے کی جگہ تو دارِ آخرت ہے، اور وہاں اللہ کے سارے تقوے والے بندے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے میرے ساتھ اور میرے قریب رہیں گے، اور پھر اس قرب و وصال کے بعد کسی فراق کا اندیشہ نہ ہو گا۔

اس آخری بات کے فرماتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا رُخ غالباً اس لئے حضرت معاذ کی طرف سے پھیر کے مدینہ کی طرف کر لیا تھا کہ معاذ کے رونے سے غالباً آپ خود آبدیدہ ہو گئے تھے، آپ نے چاہا کہ معاذ آپ کے بہتے ہوئے آنسو نہ دیکھ لیں، نیز یہ بھی وجہ ہو سکتی ہے کہ اپنے ایک سچے محب کا رونا دیکھ کر آپ کا دل دکھتا ہو، اور اس لئے اس وقت آپ نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا ہو، محبت و عقیدت کی دنیا میں اس طرح کے تجربے ہوتے ہی رہتے ہیں۔

حضرت معاذ کو رخصت کرتے وقت آپ نے اُن کو تو حکم دے کے سواری پر سوار کرا دیا اور خود بات کرتے ہوئے پیدل نیچے چلتے رہے۔

اس میں کتنا بڑا سبق، اور کیسا نمونہ ہے، ان سب لوگوں کے لئے جو دینی حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب سمجھے

جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ دنیا میں اپنا خوف اور تقویٰ ہمارے دلوں کو نصیب فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ روحانی قرب اور آخرت میں آپ کی وہ رفاقت نصیب فرمائے، جس کی بشارت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں دی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک صحابی کو تقویٰ کی نصیحت

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو نصیحت فرمائی:

عَلَیْکَ بِتَقْوَی اللّٰہِ.

"آپ تقویٰ کو لازم پکڑیں۔"

فَاِنَّ اللّٰہَ لاَ یَمْحُ السَّیِّءَ بِالسَّیِّءِ وَلٰکِنَّہٗ یَمْحُو السَّیِّءَ بِالْحَسَنِ.

"اللہ برائی سے برائی کو نہیں ختم کرتے بلکہ برائی کو نیکیوں سے دھودیتے ہیں"۔

وَلاَ یَغُرَّنَّکَ اَنَّکَ تُقَالُ صَاحِبُ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَ خَالُ رَسُوْلِ اللّٰہِ.

"اور اس بات پر دھوکے میں نہ پڑیں کہ لوگ آپ کو نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا صحابی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خالو کہتے ہیں۔"

فائدہ

اب سوچئے! امیر المؤمنین ایک صحابی کو نصیحت کر رہے ہیں کہ بھروسہ مت کرنا کہ میری نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے رشتہ داری ہے، بھروسہ مت کرنا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی صحبت پائی ہے، اللہ کے ساتھ بندے کا تعلق فقط انسان کی بندگی کا ہے۔

تقویٰ کے برکات وثمرات

چنانچہ جو شخص بھی متقی ہو، اللہ رب العزت کی طرف سے اسے بہت برکات ملتی ہیں۔ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

فَمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّفْتَحَ اللّٰهُ عَلَیْهِ بَرَکَاتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ.

”جو چاہے کہ اس کے لیے آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھل جائیں۔“

وَیَجْعَلَ اللّٰهُ مَخْرَجًا.

”اور اللہ مصیبت میں سے نکلنے کا راستہ بنا دے“۔

وَیَرْزُقَهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ.

”اور اللہ ایسی جگہ سے رزق دے جہاں سے بندے کو گمان بھی نہ ہو۔“

وَيُكَفِّرَ عَنْهُ سَيِّنَاتِهِ.

"اور اللہ اس کے گناہوں کو معاف کردے۔"

وَيُعَظِّمَ لَهُ أَجْرًا.

"اور اس کے اجر کو زیادہ کردے۔"

وَيَجْعَلَ لَّهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًىٰ.

"اللہ اس کے کاموں میں آسانیاں کردے۔"

وَيَكُوْنَ مَعَهُ وَيُحِبُّهُ.

"اور اللہ اس کے ساتھ ہوجائے اور اس سے محبت کرے۔"

وَيُنْجِيْه.

"اور اللہ ہر مصیبت سے نجات عطا فرمائے"۔

وَيَكُوْنَ مِنَ الْفَائِزِيْنَ.

"اور کامیابی حاصل کرنے والوں میں سے بن جائے۔"

فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ.

" تو اس کو چاہیے کہ وہ تقویٰ اختیار کرے۔"

تقویٰ اختیار کرنے پر یہ تمام نعمتیں انسان کو ملتی ہیں۔

تقویٰ پر اللہ رب العزت کا وعدہ

چنانچہ اللہ رب العزت نے ایک جگہ ارشاد فرمایا:

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا

عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ.

(الاعراف:۹۶)

’’اگر یہ بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے ان کے لیے کھول دیتے۔‘‘

شیخ انور تجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنیٰ یہ ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ صَدَقُوْا وَعْدِیْ.

’’اگر یہ میرے وعدوں کو سچ کر دکھاتے۔‘‘

وَاتَّقَوْا مُخَالَفَتِیْ.

’’اور میری مخالفت سے ہٹ جاتے۔‘‘

لَنَوَّرْتُ قُلُوْبَهُمْ بِمُشَاهَدَتِیْ.

’’تو میں ان دلوں کو اپنے مشاہدے کا نور عطا فرما دیتا۔‘‘

تقویٰ والوں کے اعمال کی قبولیت

متقی بندے کے عمل اللہ کے ہاں جلدی قبول ہوتے ہیں:

ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ. (المائدہ: ۲۷)

’’بے شک اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں ہی سے قبول کرتا ہے‘‘۔

نیکی اور عبادت کر کے ڈرنے والے بندے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا وَقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمُ الَّذِيْنَ يَشْرَبُوْنَ الْخَمْرَ وَيَسْرِقُوْنَ؟ قَالَ لَا يَا ابْنَةَ الصِّدِّيْقِ وَلٰكِنَّهُمُ الَّذِيْنَ يَصُوْمُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ وَيَتَصَدَّقُوْنَ وَهُمْ يَخَافُوْنَ اَنْ لَا يُقْبَلَ مِنْهُمْ اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ.

(رواه الترمذی و ابن ماجه)

”حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن مجید کی آیت:

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا وَقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ.

کے بارے میں دریافت کیا کہ:

کیا یہ وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں، اور چوری کرتے ہیں؟

آپ نے فرمایا: اے میرے صدیق کی بیٹی! نہیں، بلکہ وہ اللہ کے وہ خدا ترس بندے ہیں، جو روزے

رکھتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں، اور صدقہ و خیرات
کرتے ہیں، اور اس کے باوجود وہ اس سے ڈرتے
ہیں کہ کہیں ان کی یہ عبادتیں قبول نہ کی جائیں، یہی
لوگ بھلائیوں کی طرف تیزی سے دوڑتے ہیں۔

فائدہ

سورۂ مومنون کے چوتھے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کے کچھ اوصاف بیان فرمائے ہیں، جو بھلائی اور خوش انجامی کی طرف تیزی سے جانے والے اور سبقت کرنے والے ہیں، اس سلسلہ میں اُن کا ایک وصف یہ بھی بیان فرمایا گیا ہے، آیت مبارکہ یہ ہے

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُم
اِلٰى رَبِّهِمْ رَاجِعُوْنَ.

”اور جو لوگ کچھ دیتے ہیں تو اس حال میں دیتے ہیں
کہ ان کے دل اس بات سے خوف زدہ ہوتے ہیں کہ
وہ اپنے رب کے پاس لوٹنے والے ہیں۔“

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اسی آیت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا کہ:

”کیا اس سے مراد وہ لوگ ہیں، جو شامتِ نفس سے

گناہ تو کرتے ہیں، مگر گناہوں کے بارے میں نڈر اور
بے باک نہیں ہوتے، بلکہ گناہگاری کے باوجود ان
کے دلوں میں خدا کا خوف ہوتا ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا: کہ ''نہیں! اس آیت سے مراد ایسے لوگ نہیں ہیں، بلکہ اللہ کے وہ عبادت گذار اور اطاعت شعار بندے مراد ہیں، جن کا حال یہ ہے کہ وہ نماز، روزہ، اور صدقہ وخیرات جیسے اعمالِ صالحہ کرتے ہیں، اور اس کے باوجود ان کے دلوں میں اس کا خوف اور اندیشہ رہتا ہے کہ معلوم نہیں ہمارے یہ اعمال بارگاہِ خداوندی میں قبول بھی ہوں گے، یا نہیں۔

قرآن مجید میں ان بندوں کا یہ وصف بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا ہے:

أُولٰئِکَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُوْنَ.

''یہی وہ بندے ہیں جو حقیقی بھلائیوں میں جلدی
کرتے ہیں (اور حقیقی کامیابی کی اس راہ میں)
ان کی طرف آگے نکل جانے والے ہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جواب دیتے ہوئے اس سلسلہ کی اس آخری آیت کی طرف بھی اشارہ

فرمایا، اور بتلایا کہ دلوں کا یہی خوف اور فکر، بھلائی اور خوش انجامی سے ہمکنار کرانے والا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی شانِ بے نیازی اور اس کا قہر وجلال اس قدر ڈرنے کے لائق ہے کہ بندہ بڑی سے بڑی نیکی اور عبادت کرنے کے باوجود ہرگز مطمئن نہ ہو، اور برابر ڈرتا رہے کہ کہیں میرا یہ عمل کسی کھوٹ کی وجہ سے میرے منہ پر نہ مار دیا جائے، کسی کے دل میں جس قدر خوف ہوگا، اسی قدر وہ خیر وفلاح کی راہ میں آگے بڑھتا رہے گا۔

حضور ﷺ، صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ کے تقویٰ کے واقعات

ہم آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرات صحابہ کرامؓ اور ازواج مطہرات و دیگر اکابر کے تقویٰ کے بارے میں کچھ واقعات سناتے ہیں تاکہ تقویٰ کی حقیقت واضح ہوجائے کہ شریعت پر احتیاط کے ساتھ چلنا کہ غلطی نہ ہوجائے، گناہ نہ ہوجائے، اسی کو ہی تقویٰ کہتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تقویٰ اور احتیاط

اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ ہے، فرمایا کہ میں کئی مرتبہ گھر آتا ہوں بھوک لگی ہوتی ہے اور اپنے کمرے میں

بستر پر کھجور پڑی دیکھتا ہوں تو میں اس لیے اٹھا کر نہیں کھاتا کہ ممکن ہے یہ صدقہ کی کھجور پڑی ہوئی ہو اور میرے لیے صدقہ کھانا جائز نہیں، بھوک بھی ہے اور اپنے گھر کے بستر پر کھجور پڑی ہے تو گھر کے بندے کی ہی ہوگی لیکن احتیاطاً نہیں کھائی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تقویٰ اور احتیاط

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے، ایک دفعہ بھوک لگی ہوئی تھی غلام نے کھجور دی کہ جی یہ کھالیں! لے کر کھالی، پھر پوچھا کہ بھئی! تمہیں ملی کہاں سے؟ اس نے کہا کہ جی میں زمانہ جہالت میں جھاڑ پھونک کی تھی، ان لوگوں کے اوپر میرا احسان تھا، میں ان کے قریب سے گزرا تو ان کے ہاں شادی تھی، تو انہوں نے مجھے یہ کھجوریں دیں، یہ وہی ہے، فرمایا تو نے مجھے ہلاک کر دیا، اپنے حلق میں انگلی ڈالی اور قے کر دی تا کہ جو پیٹ میں گیا ہے نکل جائے پھر خیال ہوا کہ ابھی نہیں نکلی تو بہت سارا پانی پی لیا، حد سے زیادہ پانی پی کے پھر انگلی ڈال کر قے کی تو پانی کے ساتھ پورا معدہ خالی ہو گیا، یہ کیوں کیا کہ میں نہیں چاہتا کہ شبہ والا کوئی لقمہ میرے بدن کا جزو بن جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تقویٰ اور احتیاط

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس خوشبو آئی، تقسیم کرنی تھی، بیوی نے کہا کہ میں کر دیتی ہوں، تو ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اجازت نہ دی، اس نے کہا کہ میں احتیاط کروں گی کہ میرے ہاتھ کو خوشبو نہ لگے، فرمایا: تقسیم کرتے ہوئے خوشبو تو سونگھو گی وہ بھی تو خوشبو کا استعمال ہوگا، اس لیے میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ میری بیوی بیت المال کی خوشبو تقسیم کرے، اتنا فائدہ بھی نہیں چاہتا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے تقسیم کیا اور تھوڑی سی خوشبو لگ گئی، جب تک عمر رضی اللہ عنہ نے رگڑ رگڑ کے خوشبو کو صاف نہیں کر لیا اس کی جان نہیں چھوڑی۔ احتیاط اور یہی تقویٰ پوری زندگی میں تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا تقویٰ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ انہوں نے کہہ دیا کہ وہ بہت زیادہ خرچ کر دیتی ہیں۔ ان کے خرچ کر دینے کا حال یہ تھا کہ ایک دفعہ روزے سے تھیں، بیس ہزار کے قریب درہم کہیں سے ملے، مدینہ کی بیواؤں کو یتیموں کو بلایا اور سارے خرچ کر دیئے۔ اسی نشست میں

باندی آئی، اس نے کہا کہ آپ کا روزہ ہے اور افطاری کے لیے کوئی چیز نہیں، کچھ مجھے دے دیں تاکہ افطاری کے لیے کچھ بندوبست کرلوں۔

فرمایا: تونے پہلے کیوں نہ بتایا۔

اتنا زیادہ خرچ کرتی تھیں جو ملتا تھا خرچ کردیتی تھیں۔ تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ کچھ اپنے لیے بھی رکھا کریں تو محبت میں انہوں نے کہہ دیا کہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا بہت زیادہ خرچ کرتی ہیں۔ جب آپ نے سنا تو کہا کہ اچھا میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے بات ہی نہیں کروں گی، قسم کھالی، تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی جان پر بن گئی، بڑی منت سماجت کی، آخر ماں تھیں، خالہ تھیں، تو دل موم ہوگیا۔

اب قسم کا کفارہ ہوتا ہے دس بندوں کو کھانا کھلانا یا ایک غلام آزاد کرنا، تو ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے کفارے میں ایک غلام آزاد کرنے پر اکتفانہ کیا، وقت کے ساتھ ساتھ پچاس غلام آزاد کردیے۔ پھر رویا کرتی تھیں کہ کاش میں قسم نہ کھاتی۔ اس کو کہتے ہیں تقویٰ کہ ایک کے بدلے پچاس آزاد کردیئے، ڈر پھر بھی دل میں ہے کہ میں اللہ کو کیا جواب دوں گی؟

شریعت میں پردہ تو زندوں سے ہوتا ہے کوئی عورت قبر کے

سامنے سے گزرے تو پردہ تو کوئی نہیں۔تقویٰ دیکھئے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی علیہ السلام کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد حجرے میں چلی جاتی تھیں، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی جب وہاں تدفین ہوئی تو چلی جاتی تھیں کہ ان کے والد ہیں۔جب عمر رضی اللہ عنہ کی تدفین ہوئی تو ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے کمرے میں بغیر پردے کے جانا چھوڑ دیا، کتنی حیا تھی کتنا تقویٰ تھا۔ام المؤمنین کی طہارت اور پاکیزگی کو اگر سمجھنا ہو تو نبی علیہ السلام کی پاکیزگی کا تصور کریں کیونکہ پروردگارِ عالم کا قانون ہے:

اَلطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِيْنَ. (سورة النور: ٢٦)

''پاکیزہ مردوں کے لیے پاکیزہ عورتیں ہیں۔''

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا تقویٰ

سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا خاتونِ جنت، طبیعت کے اندر اتنی حیا اور اتنی پاکیزگی تھی کہ بات چلی کہ سب سے بہتر عورت کون؟ خاتونِ جنت نے جواب دیا کہ سب سے بہترین عورت وہ ہے جو نہ خود غیر محرم کو دیکھے اور نہ غیر محرم اس کو دیکھ سکے۔چنانچہ وفات سے پہلے وصیت فرمائی کہ جب میری روح نکل جائے تو میرا جنازہ رات کو اٹھانا اور فرمایا کہ کھجور کی

ٹہنیاں لے کر میری چار پائی کے اوپر اوٹ بنالینا تاکہ غیر محرم مرد کو جسامت کا پتہ نہ چل سکے، اس کو تقویٰ کہتے ہیں۔

چنانچہ ازواج مطہرات امہات المؤمنین رضی اللہ عنھن کے بارے میں لکھا ہے کہ جب گھر کے صحن میں بیٹھتی تھیں تو دیوار کی طرف رخ کر کے بیٹھتی تھیں، کہ دروازہ کھلنے سے اچانک کسی کی نظر نہ پڑ سکے، نہ کسی کی نظر ہم پر پڑے نہ ہماری نظر کسی پر پڑے۔

اکابر علمائے دیوبند کے تقویٰ کے واقعات

قریب کے زمانے میں ہمارے اکابر علمائے دیوبند کی زندگی کے واقعات سن لیں کہ ان کی قبولیت کا راز کیا تھا؟ اللہ کے ہاں کیوں قبول ہوئے؟ ان کی قبولیت کا راز ان کا اخلاص اور ان کا تقویٰ تھا۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا تقویٰ

چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ کچھ طلبا علما ان کو دعوت کے لیے مجبور کر کے لے جاتے اور کھانا کھلا دیتے، اگر حضرت کو کبھی شک ہو جاتا کہ اس بندے کی آمدنی ٹھیک نہیں تو واپس آ کر قے کیا کرتے تھے، تاکہ کھانا جزو بدن نہ بنے۔

حضرت گنگوہیؒ کے دادا کا تقویٰ

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے دادا اپنے وقت کے بڑے نواب تھے، ان کی بڑی جائیدادیں تھیں، تو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے جب علم حاصل کرلیا اور تیس سال کی عمر ہوئی تو تمام زمینوں کی دستاویزات منگوائیں تاکہ پتہ چلے ہماری ہیں بھی یا نہیں، تو اکثر اپنی تھیں، لیکن ایک سودے میں تھوڑا سا کسی کا حصہ بنتا تھا، حضرت نے اپنی جائیدادوں کو بیچ دیا حتیٰ کہ اپنی بیوی کے زیور کو بیچ کر ان تمام حق والوں کو ان کا حق دے دیا تاکہ قیامت کے دن کوئی مجھ سے پوچھنے والا نہ ہو۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کا تقویٰ

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند صدر مدرس تھے اور صدر مدرس ہونے کی وجہ سے جو انتظامیہ تھی اس نے بیٹھنے کی جگہ پر ذرا موٹا قالین بچھوادیا، جب تک حضرت درس دیتے، اس پر بیٹھتے اور درس دینے کے بعد وہاں سے اٹھ کر دوسرے فرش پر بیٹھ جاتے کہ اب مجھے اس کے استعمال کی اجازت نہیں۔

حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ کا تقویٰ

حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ جب سفر پر

جانے لگتے اور گاڑی پر بیٹھ جاتے تو اگر کوئی بندہ بعد میں آتا کہ حضرت! اس شہر میں فلاں بندے کے لیے میرا رقعہ خط لیتے جائیں تو رقعہ نہیں پکڑتے تھے، فرماتے تھے کہ میں نے سواری والے سے بات مکمل کرلی ہے، اب سواری والے سے پوچھو اجازت دے گا تو وزن بڑھاؤں گا ورنہ اتنا وزن بھی نہیں بڑھا سکتا۔

حضرت میاں جی نور محمد جھنجھانویؒ کا تقویٰ

میاں جی نور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ ان کے پاس ایک قاری صاحب آئے، کسی نے کہا کہ جی یہ اشعار بڑے اچھے لہجے میں پڑھتے ہیں، حضرت نے فرمایا کہ جی میں نے تو اشعار نہیں سننے۔ انہوں نے کہا کہ جی اشعار سننے میں کیا رکاوٹ؟ فرمایا کہ لوگ مجھے کبھی کبھی امام بنا دیتے ہیں اور اچھی سریلی آواز سے اشعار سننے کو بھی بعض علما نے غنا کہا ہے، اور غنا بلا مزامیر یہ بھی جائز نہیں، اس لیے میں نہیں سنتا تاکہ امامت میں حرج نہ آجائے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا تقویٰ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ بڑا مشہور ہے، ریل پر سفر کر رہے تھے تو حارث پور سے کانپور تک کسی نے گنے کی گٹھڑی دے

دی، تو حضرت نے کہا کہ نہیں بھئی! یہ مقررہ حد سے زیادہ وزن ہے، میں نہیں لے کے جاتا، اس نے کہا کہ جی میں نے گارڈ کو کہہ دیا ہے، گارڈ بھی آ گیا، اس نے کہا جی کوئی مسئلہ نہیں چیک تو میں نے کرنا ہے، آپ لے جائیں، انہوں نے کہا کہ نہیں مجھے تو آگے جانا ہے، اس نے کہا کہ جی فلاں جگہ تک تو میری ڈیوٹی ہے آگے جس کی ڈیوٹی ہے اس کو کہہ دوں گا، وہ بھی نہیں پوچھے گا، فرمایا: نہیں مجھے تو اس سے بھی آگے جانا ہے، اس نے کہا کہ جی فلاں اسٹیشن سے آگے تو ریلوے لائن ہی نہیں ہے اور آگے کہاں جانا ہے؟ فرمانے لگے کہ میں نے روزِ محشر اللہ کے سامنے جانا ہے، وہاں اگر بچا سکتے ہو تو ذمہ داری اٹھاتا ہوں۔

اس کو تقویٰ کہتے ہیں، آپ ریل گاڑی کے اچھے ڈبے میں سفر کرتے تھے تو اس کا ٹکٹ خریدتے تھے، اگر کوئی مرید ملنے آتا تھا تو پاس نہیں بیٹھنے دیتے تھے کہ نچلے درجے کا ٹکٹ خرید کر اوپر کے درجے میں مت بیٹھو۔ آج ایسے لوگوں کو دیکھنے کے لیے آنکھیں ترس گئیں۔

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کا تقویٰ

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ دہلی میں جمعیت کے دفتر میں تشریف لائے تو ناظم صاحب نے اچھا کھانا کھلایا، نماز پڑھنے کا

وقت آیا تو انہوں نے نماز کے لیے نئی نئی چٹائیاں بچھائیں۔ تو حضرت نے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سے فرمایا کہ ماشاء اللہ، اللہ نے نئی چٹائیاں بھیج دی ہیں؟ انہوں نے کہا جی نہیں، یہ ہماری تو نہیں ہیں، فلاں تاجر آپ کا مرید ہے اسے جب پتہ چلا کہ آپ آئے ہیں تو اس نے اپنی دکان سے نئی چٹائیاں بھیج دی ہیں، استعمال کر کے پھر واپس کر دیں گے تو حضرت کا چہرہ متغیر ہو گیا، چٹائی سے نیچے اتر گئے، فرمایا: مولانا وہ ان چٹائیوں کو غیر مستعمل کر کے بیچے گا اور ذمہ دار میں بنوں گا، گناہ گار میں ہوں گا، میں اس پر نماز ہی نہیں پڑھتا۔

حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کا تقویٰ

حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ محدث سہارنپوری، نے بخاری شریف کا حاشیہ لکھا ہے، علمائے دیوبند میں ان کی انوکھی شان ہے، حدیث میں ایسے کامل بہت کم محدثین گزرے ہیں، یہ چوٹی کے چند علما میں سے تھے، ایک مرتبہ ایک دوست کو ملنے کے لیے کلکتہ گئے، دوست سے ملاقات ہوئی، اس نے کہا کہ: جی میرے بہت سارے رشتہ دار آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں، ان کو بلا لیا۔ انہوں نے کہا:

اچھا کوئی نصیحت فرما دیں تو حضرت نے نصیحت کر دی، اس کے

بعد حضرت کو مدرسہ کیلئے چندہ دیا جو بہت زیادہ تھا اور وہ چندہ لے کر مدرسے آئے اور ناظم صاحب کے حوالے کیا، ناظم صاحب نے کہا کہ جی اتنا زیادہ چندہ تو کوئی سفیر بھی نہیں لے کے آتا جتنا چندہ آپ لے کے آئے اور آپ نے خرچے کی کوئی چٹ نہیں دی کہ میرا اتنا خرچہ ہوا ہے، فرمایا کہ سفر میں نیت دوست کو ملنے کی تھی، اب میرے لیے سفر کا خرچہ لینا جائز نہیں۔

حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ کا تقویٰ

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے والد مولانا یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ گھر میں کھانا پکاتے تھے، سردیوں میں وہ آتے ہوئے ٹھنڈا ہوجاتا، جم جاتا، تو مدرسے کے طلبہ کا جو تندور تھا، اس کے قریب رکھ دیتے تھے کہ اس کی گرمی کی وجہ سے جمنے نہ پائے، آگ کے اوپر نہیں رکھتے تھے، آگ سے فاصلے پر جہاں ہر ایک کو گرمی لگتی ہے وہاں پر رکھ دیتے تھے۔ اس کی وجہ سے مدرسے میں پیسے جمع کرواتے تھے کہ میں نے مدرسہ کی آگ سے فائدہ اٹھایا، مظاہر العلوم کا سالانہ جلسہ ہوتا تھا تو مدرسین مہمان نوازی کرتے تھے، تو حضرت کھانا اپنے گھر سے منگوا کے کھایا کرتے تھے۔

اللہ کے ہاں قبولیت کی کوئی نہ کوئی بنیاد ہوتی ہے، یہ تقویٰ تھا جس

کی وجہ سے اللہ نے علمائے دیوبند کو قبولیت عامہ اور تامہ عطا فرمائی۔

آخرت کی تیاری کرنے والے ہی ہوشیار ہیں

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ رَجُلٌ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ مَنْ اَكْيَسُ النَّاسِ وَاَحْزَمُ النَّاسِ قَالَ اَكْثَرُهُمْ ذِكْرًا لِلْمَوْتِ وَأَكْثَرُهُمْ اِسْتِعْدَادًا اُولٰئِكَ الْاَكْيَاسُ ذَهَبُوْا بِشَرَفِ الدُّنْيَا وَكَرَامَةِ الْاٰخِرَةِ.

(رواه الطبراني في المعجم الصغير)

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ: ”اے اللہ کے پیغمبر! بتایئے کہ آدمیوں میں کون زیادہ ہوشیار اور دور اندیش ہے؟“ آپ نے ارشاد فرمایا: ”وہ جو موت کو زیادہ یاد کرتا ہے، اور موت کے لئے زیادہ سے زیادہ تیاری کرتا ہے جو لوگ ایسے ہیں وہی دانشمند اور ہوشیار ہیں، انہوں نے دنیا کی عزت بھی حاصل کی، اور آخرت کا اعزاز واکرام بھی۔“

فائدہ

جب یہ حقیقت ہے کہ اصل زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے، جس کیلئے کبھی فنا نہیں، تو اس میں کیا شبہ کہ دانشمند اور دوراندیش اللہ کے وہی بندے ہیں جو ہمیشہ موت کو پیش نظر رکھ کر اس کی تیاری کرتے رہتے ہیں، اور اس کے برعکس وہ لوگ بڑے ناعاقبت اندیش اور احمق ہیں جنہیں اپنے مرنے کا تو پورا یقین ہے لیکن وہ اس سے اور اس کی تیاریوں سے غافل رہ کر دنیا کی لذتوں میں مصروف اور منہمک رہتے ہیں۔

عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ رضی الله عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْكَيِّسَ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ. (رواہ الترمذی و ابن ماجه)

”شداد بن اوس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہوشیار اور توانا وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے، اور موت کے بعد کے لئے (یعنی آخرت کی نجات و کامیابی کے لئے) عمل کرے، اور نادان و ناتواں وہ ہے، جو اپنے کو اپنی خواہشاتِ نفس کا تابع

کردے (اور بجائے احکامِ خداوندی کے اپنے نفس کے
تقاضوں پر چلے) اور اللہ سے امیدیں باندھے۔"

فائدہ

دنیا میں کَیِّس (چالاک وہوشیار اور کامیاب) وہ سمجھا جاتا ہے، جو دنیا کمانے میں چست و چالاک ہو، خوب دونوں ہاتھوں سے دنیا سمیٹتا ہو، اور جو کرنا چاہے کرسکتا ہو، اور بیوقوف و ناتواں وہ سمجھا جاتا ہے جو دنیا کمانے میں تیز اور چالاک نہ ہو، اور اہل دنیا جو اس دنیوی زندگی ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں، ان کو ایسا ہی سمجھنا بھی چاہیئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بتلایا کہ چونکہ اصل زندگی یہ چند روزہ زندگی نہیں ہے بلکہ آخرت کی نہ ختم ہونے والی زندگی ہی اصل زندگی ہے، اور اس زندگی میں کامیابی ان ہی کیلئے ہے، جو اس دنیا میں اللہ کی اطاعت اور بندگی والی زندگی گذاریں۔

اسلئے درحقیقت دانشمند اور کامیاب اللہ کے وہ بندے ہیں جو آخرت کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں، اور جنہوں نے اپنے نفس پر قابو پاکر اس کو اللہ کا مطیع و فرمانبردار بنا رکھا ہے اور اس کے برعکس جن احمقوں کا حال یہ ہے کہ انہوں نے اپنے کو نفس کا بندہ بنالیا ہے، اور وہ

اس دنیوی زندگی میں اللہ کے احکام واوامر کی پابندی کے بجائے اپنے نفس کے تقاضوں پر چلتے ہیں، اوراس کے باوجود اللہ سے اچھے انجام کی امیدیں باندھتے ہیں، وہ یقینا بڑے نادان اور ہمیشہ ناکام رہنے والے ہیں، خواہ دنیا کمانے میں وہ کتنے ہی چست وچالاک اور پھرتیلے نظر آتے ہوں، لیکن فی الحقیقت وہ بڑے ناعاقبت اندیش، کم عقلے، اور ناکامیاب ونامراد ہیں، کہ جوحقیقی اور واقعی زندگی آنے والی ہے، اُس کی تیاری سے غافل ہیں، اورنفس پرستی کی زندگی گذارنے کے باوجود اللہ سے خدا پرستی والے اچھے انجام کی امید رکھتے ہیں، نادان اتنی موٹی بات نہیں سمجھتے۔

اس حدیث میں ان لوگوں کو خاص آگاہی دی گئی ہے، جواپنی عملی زندگی میں اللہ کے احکام اورآخرت کے انجام سے بے پرواوربےفکرہوکر اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں، اوراسکے باوجوداللہ کی رحمت اوراس کے کرم سے امیدیں رکھتے ہیں اور جب اللہ کا کوئی بندہ ٹوکتا ہے، تو کہتے ہیں کہ اللہ کی رحمت بڑی وسیع ہے، اس حدیث نے بتلایا کہ ایسے لوگ دھوکے میں ہیں، اوران کا انجام نامرادی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ رجاء یعنی اللہ سے رحمت اور کرم کی امید وہی محمود ہے، جوعمل کے ساتھ ہو، اور جوامید بےعملی اور بدعملی اور آخرت کی

طرف سے بے فکری کے ساتھ ہو، وہ رجاءِ محمود نہیں ہے، بلکہ نفس و شیطان کا فریب ہے۔

دو لفظوں میں دین کا خلاصہ

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ ایک لڑکے سے سوال پوچھا: بتاؤ! دین کا خلاصہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا:

ورع: یعنی احتیاط کے ساتھ دین پر عمل کرنا، پھر آپ نے فوراً دوسرا سوال پوچھا: دین میں مصیبت کیا ہے؟ اس نے کہا:

طمع: یعنی ورع سے بہتر دین کا کوئی اور خلاصہ نہیں اور طمع سے بڑی کوئی مصیبت نہیں، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ یہ سن کر فرمانے لگے کہ میں نے تجھ جیسا کوئی عقلمند نوجوان نہیں دیکھا کہ تو نے دو لفظوں میں پوری بات ہی سمیٹ دی۔

دو لفظوں میں دنیا و آخرت کی بھلائی

خَيْرُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فِيْ حَرْفَيْنِ.

"دنیا اور آخرت کی بھلائیاں صرف دو لفظوں میں ہیں۔"

اَنْ يَعْرِفَ مَعْبُوْدَهٗ وَيَعْبُدَهٗ.

"کہ بندہ اپنے اللہ کو پہچانے اور اسکی عبادت کرے۔"

ساری دنیا کے معارف کا نچوڑ یہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حضرت داؤد علیہ السلام کو پیغام

اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو فرمایا:

يَا دَاوٗدُ طَهِّرْ ثِيَابَكَ الْبَاطِنَ.

''اے داؤد! اپنے باطن کی پوشاک کو پاک کر لیجیے۔''

وَاَمَّا الظَّاهِرَ فَلاَ تَنْفَعُكَ عِنْدِیْ.

''ظاہر کے کپڑوں کا میرے سامنے کوئی اثر نہیں۔''

تم بن سنور کر چہرہ سجا کے خوشبو لگا کے جب لوگوں میں نکلتے ہو تو لوگ متاثر ہوتے ہیں، میں تو تمہارے اعمال کو دیکھتا ہوں۔

اِنَّ اللّٰهَ لاَ يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَلاَ اِلٰى اَمْوَالِكُمْ.

''اللہ تعالیٰ نہیں دیکھتے تمہاری شکلوں اور صورتوں کو، نہیں دیکھتے تمہارے مال پیسے کو''۔

وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ.

''وہ دیکھتے ہیں تمہارے دلوں کو اور تمہارے اعمال کو۔''

اس لیے فرمایا:

يَادَاوٗدُ مَنْ غَضَّ طَرْفَهٗ.

''جس نے اپنی آنکھوں کو غیر محرم سے بچالیا۔''

وَصَانَ فَرْجَهٗ.

''اس نے اپنے ناموس کی حفاظت کر لی۔''

وَحَفِظَ لِسَانَهُ.

''اور اپنی زبان کی حفاظت کرلی۔''

فَهُوَ عِنْدِیْ مِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ.

''پس وہ میرے مقربین میں ہو جائے گا۔''

خوفِ آخرت کی فکر والے ہی کامیاب ہیں

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی الله عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَافَ اَدْلَجَ وَمَنْ اَدْلَجَ بَلَغَ الْمَنْزِلَ اَلاَ اِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ غَالِیَةٌ اَلاَ اِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ الْجَنَّةُ.

(رواہ الترمذی)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جو شخص ڈرتا ہے، وہ شروع رات میں چل دیتا ہے، اور جو شروع رات میں چل دیتا ہے، وہ عافیت کے ساتھ اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے، یاد رکھو اللہ کا سودا سستا نہیں بہت مہنگا اور بہت قیمتی ہے، یاد رکھو اللہ کا وہ سودا جنت ہے۔''

فائدہ

عرب کا عام دستور تھا کہ مسافروں کے قافلے رات کے آخری حصہ میں چلتے تھے، اور اس کی وجہ سے قزّاقوں اور رہزنوں کے حملے بھی عموماً سحر ہی میں ہوتے تھے، اس کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ جس مسافر یا جس قافلے کو رہزنوں کے حملے کا خوف ہوتا، وہ بجائے آخری رات کے شروع رات میں چل دیتا، اور اس تدبیر سے بحفاظت و عافیت اپنی منزل پر پہنچ جاتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس مثال سے سمجھایا کہ:

جس طرح رہزنوں کے حملہ سے ڈرتے والے مسافر، اپنے آرام اور اپنی نیند کو قربان کر کے چل دیتے ہیں، اسی طرح انجام کی فکر رکھنے والے اور دوزخ سے ڈرنے والے مسافر آخرت کو چاہئے کہ اپنی منزل (یعنی جنت) تک پہنچنے کیلئے اپنی راحتوں لذتوں اور خواہشوں کو قربان کریں، اور منزل مقصود کی طرف تیز گامی سے چلیں۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

بندہ اللہ تعالیٰ سے جو کچھ لینا چاہتا ہے، وہ کوئی سستی اور کم قیمت چیز نہیں ہے کہ یوں ہی مفت دے دی جائے، بلکہ وہ نہایت گرانقدر اور بیش قیمت چیز ہے، جو جان و مال اور خواہشات نفس کی قربانی سے ہی

حاصل کی جاسکتی ہے، اور وہ چیز جنت ہے۔

قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ.

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے ان کے جان و مال جنت کے عوض میں خرید لئے ہیں، وہ اپنی جان و مال اللہ کی راہ میں قربان کردیں تو جنت کے مستحق ہوں گے، گویا جنت وہ سودا ہے جس کی قیمت بندوں کی جان و مال ہے۔

خوف خدا سے رونگٹے کھڑے ہونا عظیم سعادت ہے

عَنِ الْعَبَّاسِ رضی الله عنه رَفَعَهُ اِذَا قْشَعَرَّ جِلْدُ الْعَبْدِ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ تَحَاتَتْ عَنْهُ خَطَايَاهُ كَمَا تَحَاتُّ عَنِ الشَّجَرَةِ الْبَالِيَةِ وَرَقُهَا. (رواه البزار)

''حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ: ''جب اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی ہیبت سے کسی بندہ کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، تو اس وقت اس کے گناہ

ایسے جھڑتے ہیں، جیسے کہ کسی پرانے سوکھے درخت
کے پتے جھڑتے ہیں۔''

فائدہ

خوف وخشیت اور ہیبت دراصل قلبی کیفیات ہیں، لیکن انسان ایسا بنایا گیا ہے کہ اس کی قلبی کیفیات کا ظہور اس کے جسم پر بھی ہوتا ہے، مثلاً جب دل میں خوشی کی کیفیت ہو، تو چہرے پر بشاشت ظاہر ہوتی ہے اور بعض اوقات وہ اس کیفیت کے اثر سے ہنستا یا مسکراتا ہے، اسی طرح جب دل میں حزن وغم ہو، تو وہ بھی اس کے چہرے سے ظاہر ہوتا ہے، اور کبھی کبھی وہ اس کے اثر سے روتا بھی ہے، اور اس کی آنکھوں سے آنسو گرتے ہیں، اسی طرح جب دل پر خشیت اور ہیبت کی کیفیت طاری ہو، تو جسم پر اس کا اثر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سارے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، پس جس طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی آگے آنے والی حدیث میں اللہ کے خوف سے آنسو گرنے پر آتش دوزخ کے حرام ہو جانے کی خوشخبری اہلِ ایمان کو سنائی گئی ہے، اُسی طرح حضرت عباسؓ کی اس حدیث میں بشارت سنائی گئی ہے کہ اللہ کی خشیت و ہیبت سے جب کسی بندہ کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں تو اس وقت اس کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں، جیسے خزاں کے موسم میں سوکھے درختوں کے پتے جھڑتے ہیں۔

خوف خدا سے جاہلانہ غلطی، مغفرت کا سبب بن گئی

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی الله عنهٗ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْرَفَ رَجُلٌ عَلٰى نَفْسِهٖ فَلَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ اَوْصٰى بَنِیْهِ اِذَا مَاتَ فَحَرِّقُوْهُ ثُمَّ اذْرُوْا نِصْفَهٗ فِی الْبَرِّ وَنِصْفَهٗ فِی الْبَحْرِ فَوَاللّٰهِ لَئِنْ قَدَرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ لَيُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا لَا يُعَذِّبُهٗ اَحَدًا مِنَ الْعَالَمِيْنَ فَلَمَّا مَاتَ فَعَلُوْا مَا اَمَرَهُمْ فَاَمَرَ اللّٰهُ الْبَحْرَ فَجَمَعَ مَا فِيْهِ وَاَمَرَ الْبَرَّ فَجَمَعَ مَافِيْهِ ثُمَّ قَالَ لَهٗ لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا قَالَ مِنْ خَشْيَتِكَ يَارَبِّ وَاَنْتَ اَعْلَمُ فَغَفَرَ لَهٗ. (رواه البخاری و مسلم)

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’ایک شخص نے اپنے نفس پر بڑی زیادتی کی (اور بڑا ظلم کیا، یعنی غفلت سے اللہ کی نافرمانی والی زندگی گذارتا رہا) جب اُس کی موت کا وقت آیا تو (اپنی پچھلی زندگی کو یاد کر کے اس پر اللہ کے خوف کا بہت زیادہ غلبہ ہوا اور آخرت کے برے انجام سے وہ بہت ڈرا، یہاں تک

کہ) اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی، کہ جب میں مرجاؤں تو تم مجھے جلا کر راکھ کر دینا، پھر تم میری اُس راکھ میں سے آدھی تو کہیں خشکی میں بکھیر دینا اور آدھی کہیں دریا میں بہادینا (تاکہ میرا کہیں پتہ نشان بھی نہ رہے اور میں جزا سزا کے لئے دوبارہ زندہ نہ کیا جاؤں، اس نے کہا کہ میں ایسا گناہگار ہوں کہ) اللہ کی قسم! اگر خدا نے مجھے پکڑلیا، تو وہ مجھے ایسا سخت عذاب دے گا، جو دنیا جہاں میں کسی کو بھی نہ دے گا۔ اس کے بعد جب وہ مرگیا، تو اس کے بیٹوں نے اس کی وصیت پر عمل کیا (جلا کر اس کی راکھ کو کچھ ہوا میں اڑادیا اور کچھ دریا میں بہادیا) پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے خشکی اور تری سے اس کے اجزا جمع ہوئے (اور اس کو دوبارہ زندہ کیا گیا) پھر اس سے پوچھا گیا تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے عرض کیا: ''اے میرے مالک! تو خوب جانتا ہے کہ تیرے ڈر سے ہی میں نے ایسا کیا تھا۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے یہ واقعہ بیان فرما کر ارشاد فرمایا کہ) اللہ تعالیٰ نے اس بندہ کی بخشش کا فیصلہ فرمادیا۔''

فائدہ

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے زمانہ کے جس شخص کا یہ واقعہ ذکر فرمایا ہے، یہ بیچارہ خدا کی شان اور اس کی صفات سے بھی ناواقف تھا، اور اعمال بھی اچھے نہ تھے، لیکن مرنے سے پہلے اس پر خدا کے خوف کی کیفیت اتنی غالب ہوئی کہ اس نے اپنے بیٹوں کو ایسی جاہلانہ وصیت کر دی، اور بیچارہ سمجھا کہ میری راکھ کے اس طرح خشکی اور تری میں منتشر ہو جانے کے بعد میرے پھر زندہ ہونے کا کوئی امکان نہیں رہے گا۔

لیکن اس جاہلانہ غلطی کی منشاء اور سبب چونکہ خدا کا خوف اور اس کے عذاب کا ڈر تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔

حدیث کے لفظ

"لَئِنْ قَدَرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ"

کے بارے میں شارحین نے بہت کچھ علمی موشگافیاں کی ہیں، لیکن اس عاجز کے نزدیک سیدھی بات یہ ہے کہ خدا کے خوف سے ڈرے سہمے ہوئے بیچارے ایک جاہل کی یہ جاہلانہ تعبیر تھی، اللہ تعالیٰ کے کرم نے اس کو بھی معاف کر دیا، مطلب بیچارہ کا وہی تھا جو ترجمہ میں ذکر ہے۔

گناہوں کی سزا کا ڈر اور رحمت خداوندی کی امید

عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰی شَابٍّ وَھُوَ فِی الْمَوْتِ فَقَالَ کَیْفَ تَجِدُکَ قَالَ اَرْجُوا للّٰہَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَاِنِّی اَخَافُ ذُنُوْبِیْ فَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَجْتَمِعَانِ فِیْ قَلْبٍ فِیْ مِثْلِ ھٰذَا الْمَوْطَنِ اِلَّا اَعْطَاہُ اللّٰہُ مَا یَرْجُوْہُ وَاٰمَنَہٗ مِمَّا یَخَافُ. (رواہ الترمذی)

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ایک جوان کے پاس اس کے آخری وقت میں جبکہ وہ اس دنیا سے رخصت ہو رہا تھا، تشریف لے گئے اور آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ اس وقت تم اپنے کو کس حال میں پاتے ہو؟ اس نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ! میرا حال یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے رحمت کی امید بھی رکھتا ہوں، اور اسی کے ساتھ مجھے اپنے گناہوں کی سزا اور عذاب کا ڈر بھی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: "یقین کرو جس دل میں امید اور خوف کی یہ دونوں کیفیتیں ایسی حالت میں (یعنی موت کے وقت میں)

جمع ہوں، تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ ضرور عطا فرمادیں گے، جس کی
اس کو اللہ کی رحمت سے امید ہے، اور اس عذاب سے اس کو
ضرور محفوظ رکھیں گے جس کا اس کے دل میں خوف وڈر ہے۔“

فائدہ

بیشک اللہ کا خوف اور اس کے عذاب اور اس کی پکڑ سے ڈرنا ہی
نجات کی کنجی ہے۔

خوفِ خدا رکھنے والوں کو دوزخ سے نکالنے کا حکم

عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ
عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَقُوْلُ اللّٰہُ جَلَّ ذِکْرُہٗ
اَخْرِجُوْا مِنَ النَّارِ مَنْ ذَکَرَنِیْ یَوْمًا اَوْخَافَنِیْ
فِیْ مَقَامٍ. (رواہ الترمذی والبیہقی فی
کتاب البعث والنّشور)

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ
نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن (اُن فرشتوں کو
جو دوزخ پر مقرر ہوں گے) حکم دے گا کہ جس شخص
نے کبھی مجھے یاد کیا، یا کسی موقع پر جو بندہ مجھ سے ڈرا،
اس کو دوزخ سے نکال لیا جائے۔“

فائدہ

یہ بات کتاب وسنت کی تصریحات سے قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہوچکی ہے کہ جو شخص کفر یا شرک کی حالت میں اس دنیا سے جائے گا، وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ ہی میں رہے گا اور اس کا کوئی عمل بھی اس کو دوزخ سے نہ نکلوا سکے گا، اس لئے حضرت انسؓ کی اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص دنیا سے اس حالت میں گیا کہ وہ کافر یا مشرک نہیں تھا بلکہ ایمان اس کو نصیب تھا، لیکن گناہ اس کے بہت تھے اور اعمالِ صالحہ کا ذخیرہ اس کے ساتھ نہیں تھا، بجز اس کے کہ اس نے کبھی اللہ کو یاد کیا تھا، یا کسی موقع پر اس کے دل میں خدا کے خوف کی کچھ کیفیت پیدا ہوئی تھی، تو قیامت کے دن وہ اپنے قصوروں کی سزا بھگتنے کے لئے دوزخ میں ڈال تو دیا جائے گا، لیکن پھر کسی دن کے اللہ کے ذکر اور خوف کی برکت سے اس کو نجات مل ہی جائے گی، اور وہ دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ واللہ اعلم.

اللہ کے خوف سے نکلنے والے آنسوؤں کی برکت

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ يَخْرُجُ مِنْ عَيْنَيْهِ دُمُوْعٌ وَاِنْ كَانَ

مِثْلَ رَأْسِ الذُّبَابِ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ثُمَّ يُصِيبُ شَيْئًا مِنْ حُرِّ وَجْهِهٖ اِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ.

(رواہ ابن ماجہ)

''حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کے خوف اور ہیبت سے جس بندۂ مومن کی آنکھوں سے کچھ آنسو نکلیں، اگرچہ وہ مقدار میں بہت کم، مثلاً مکھی کے سر برابر (یعنی ایک قطرہ ہی کے بقدر) ہوں، پھر وہ آنسو بہہ کر اس کے چہرہ پر پہنچ جائیں، تو اللہ تعالیٰ اس چہرہ کو آتش دوزخ کے لئے حرام کردے گا۔''

فائدہ

مطلب یہ ہے کہ جو چہرہ خوف خدا کے آنسوؤں سے کبھی تر ہوا ہو، اس کو دوزخ کی آگ سے بالکل محفوظ رکھا جائے گا، اور دوزخ کی آنچ کبھی اس کو نہ لگ سکے گی۔

''کتاب الایمان'' میں تفصیل سے بتایا جاچکا ہے کہ جن احادیث میں کسی خاص نیک عمل پر آتشِ دوزخ کے حرام ہوجانے کی خوشخبری دی جاتی ہے، ان کا مطلب و مقصد عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ اس نیک عمل کا ذاتی تقاضا اور خاصہ یہی ہے اور اللہ تعالیٰ اس عمل کے کرنے والے کو جہنم کی

آگ سے بالکل محفوظ رکھے گا، بشرطیکہ اس شخص سے کوئی ایسا بڑا گناہ سرزد نہ ہوا ہو جو جہنم میں جانے کا باعث ہو۔

یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ محض تاویل ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہمارے عرف اور محاورات میں بھی اس قسم کے وعدوں اور بشارتوں میں یہ شرط ہمیشہ محفوظ ہوتی ہے۔

تقویٰ کا اثر آنے والی نسلوں پر

چنانچہ یہ تقویٰ وہ نعمت ہے جس کا اثر آئندہ نسلوں تک جاتا ہے، حدیث مبارکہ میں ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَحْفِظُ الرَّجُلَ الصَّالِحَ فِیْ اَھْلِہٖ وَوَلَدِہٖ.

''جو نیک و صالح ہے، اللہ تعالیٰ اس کی اولاد میں اور اس کے پوتوں میں بھی اس کی نیکی کا اثر جاری فرما دیتے ہیں۔''

چنانچہ سورۃ کہف میں ہم پڑھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شہر میں دو یتیم بچے تھے جن کی دیوار کو ٹھیک کیا تھا۔

فَکَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَۃِ.

(الکہف: ۸۲)

کس لیے کیا تھا؟

وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَّهُمَا. (الکھف: ۸۲)

''اس دیوار کے نیچے ان کا خزانہ تھا''۔

وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا. (الکھف: ۸۲)

''اور باپ ان کا نیک تھا''۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ ساتویں پشت میں وہ بزرگ تھے، جن کے بارے میں فرمایا کہ وہ نیک تھے، ان کی نیکی کی وجہ سے ان کے بچوں کی بھی اللہ حفاظت فرمارہے ہیں۔

ایک حدیث پاک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يَحْفَظُ بِالرَّجُلِ الصَّالِحِ وَلَدَهُ وَوَلَدَ وَلَدِهٖ.

''اللہ نیک بندے کی پرہیزگاری کی وجہ سے اس کی اولاد کی بھی حفاظت کرتے ہیں اور اولاد کی اولاد کی بھی حفاظت فرماتے ہیں۔''

نیکی میں عزت اور معصیت میں ذلت ہے

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَبَى اللّٰهُ اَنْ يُّذِلَّ اِلَّا مَنْ عَصَاهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ.

''اللہ رب العزت نے انکار کیا کہ جو دنیا میں میری
نافرمانی کرے گا میں کبھی اس کو عزت نہیں دوں گا''۔

اس کو ذلیل کر کے دکھاؤں گا۔ آپ اگر انفرادی حالت میں دیکھیں، تو نمرود کو دیکھ لیجئے کہ وقت کا بادشاہ ہے، ناک کے اندر مچھر گیا اور سر کے اوپر جوتے پڑا کرتے تھے، ہر دور کے نمرود اور فرعونوں کے اوپر جوتے برسائے گئے۔

قارون کو دیکھئے! تو اس نے اللہ کے حکموں کی نافرمانی کی اللہ نے اسے زمین کے اندر دھنسا دیا۔

فرعون کو دیکھئے، اللہ نے پانی میں ڈبو دیا:

وَعَادًا وَّ ثَمُوْدَ وَأَصْحَابَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْأَمْثَالَ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا. (فرقان: ۳۸، ۳۹)

''اور عاد اور ثمود اور کنویں والے اور ان کے درمیان بہت سی قوموں کو ہم نے ہلاک کیا، اور سب کو سمجھانے کے لیے ہم نے مثالیں بیان کیں (نہ ماننے پر) سب کو تہس نہس کر دیا۔

کدھر گئی وہ قومیں؟ چنانچہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ الْعِزَّةَ وَالْوَقَارَ لِمَنْ تَابَعَ اَمْرِیْ.

’’جو میرے حکم کی اطاعت کرے گا اللہ اس کو عزت

اور وقار دے گا‘‘۔

وَجَعَلَ الذِّلَّةَ وَالصِّغَارَا عَلٰی مَنْ خَالَفَ

اَمْرِیْ.

’’اور جو میرے حکم کی خلاف ورزی کرے گا اللہ اسے

دنیا کے اندر ذلیل اور رسوا کرے گا‘‘۔

فضیلت کا معیار تقویٰ ہے

اِنَّکَ لَسْتَ بِخَیْرٍ مِنْ اَحْمَرَ وَلَا اَسْوَدَ اِلَّا

اَنْ تَفْضُلَهٗ بِتَقْوٰی. (رواہ احمد)

’’حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن سے فرمایا:

تم کو اپنی ذات سے نہ کسی گورے کے مقابلہ میں بڑائی

حاصل ہے نہ کسی کالے کے مقابلہ میں، البتہ تقویٰ،

یعنی خوفِ خدا کی وجہ سے تم کسی کے مقابلے میں بڑے

ہو سکتے ہو۔‘‘

فائدہ

مطلب یہ ہے کہ مال و دولت، شکل وصورت، نسل و رنگ، اور

زبان و وطن جیسی کسی چیز کی وجہ سے کسی کو کسی دوسرے کے مقابلے میں کوئی

فضیلت حاصل نہیں ہوتی، فضیلت کا معیار بس تقویٰ ہے (یعنی خوف خدا، اور وہ زندگی جو خدا کے خوف سے بنتی ہے)۔ پس اس تقویٰ میں جو جتنا بڑھا ہوا ہے، وہ اللہ کے نزدیک اتنا ہی بڑا اور بلند ہے۔

اسی حقیقت کو قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ.

گناہ کے تین برے اثرات

جب انسان گناہ کرتا ہے، تو اس کے برے اثرات تین طرح سے ظاہر ہوتے ہیں:

قِلَّۃُ الرِّزْقِ وَتَعْسِیْرُ الرِّزْقِ وَالْاِحْتِقَارُ فِی الْعُیُوْنِ.

"رزق کی کمی، رزق کی تنگی یعنی اس میں رکاوٹ اور لوگوں کی نظر میں حقارت"۔

۱۔ قِلَّۃُ الرِّزْقِ

اس کا مطلب ہے کہ رزق ہے ہی تھوڑا، ایک وقت تھا مٹی کو ہاتھ لگاتا تھا سونا بن جاتی تھی، آج سونے کو ہاتھ لگاتا ہے مٹی بن جاتا ہے، بندہ خود کہتا ہے کہ حضرت! ایک وقت تھا کہ لوگوں سے لاکھوں لینے ہوتے تھے

اور آج وقت ہے کہ لوگوں کو لاکھوں دیتے ہیں، یہ ہے قلت رزق یہ گناہوں کا ایک بہت ہی برا اثر ہے۔

۲۔ تَعْسِیْرُ الرِّزْق

رزق کی فراہمی میں ایسی رکاوٹ اور مشکلات پیش آتی ہیں کہ سب کچھ ہونے کے باوجود پورا نہیں پڑتا، کارخانہ بھی ہے، انوسٹمنٹ بھی ہے، مگر ایک کنٹینر اِدھر پھنس گیا، ایک کنٹینر اُدھر پھنس گیا اور دو کنٹینرز واپس ہو گئے، سب کچھ ہونے کے باوجود قرضوں میں ڈوبا ہوا ہے، پریشان ہے، اس کو کہتے ہیں، رزق کو تنگ کر دینا۔

۳۔ وَالاِحْتِقَارُ فِی الْعُیُوْنِ

اور تیسرا عذاب یہ دیتے ہیں کہ لوگوں کی آنکھوں میں اس کو حقیر بنا دیتے ہیں، کوئی اہمیت ہی نہیں، حتیٰ کہ اپنے بچوں کی نظر میں کوئی قدر نہیں ہوتی۔ آپ دیکھیں ایسے لوگوں کو جو سودی کاروبار کرتے ہیں، اپنے بچوں اور اپنی بیویوں کے ہاتھوں ذلیل ہو رہے ہوتے ہیں، وہ اللہ سے جنگ کرتے ہیں، یہ سود تو اللہ سے جنگ ہے، تو اللہ اس جنگ کا مزہ یوں چکھاتے ہیں کہ جو ماتحت ہوتے ہیں، اللہ! ان ماتحتوں کو مسلط کر دیتے ہیں، کہیں بیوی کا حکم چل رہا ہے، کہیں بچے اس پر مسلط

ہوتے ہیں، چنانچہ فرمایا:

مَنْ اِرْتَکَبَ مَعْصِیَةً سَلَّطَ اللّٰہُ عَلَیْہِ ظَالِمًا.

''جو شخص معصیت کرتا ہے، اللہ اس کے اوپر ظالم کو مسلط کر دیتے ہیں۔''

کوئی پڑوسی، کوئی حاسد، کوئی دشمن، کوئی دفتر کے اندر، کوئی نہ کوئی اللہ ایسا کر دیتے ہیں کہ بندے کی ناک میں دم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے (آمین)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کا ارشاد

مَا اسْتَخَفَّ قَوْمٌ بِحَقِّ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ اِلَّا بَعَثَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مَنْ یَسْتَخِفُّ بِھِمْ وَبِحَقِّھِمْ.

''جب کوئی قوم اللہ کے حق میں کمی کوتاہی کرتی ہے، اللہ ایسے لوگوں کو کھڑا کر دیتا ہے جو اس کے حق کے اندر کمی کرتے ہیں، اس بندے کو ذلیل کرتے ہیں۔''

اگر عالم غیب ہم پر منکشف ہو جائے

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ اَبُوالْقَاسِمِ صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْتَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا وَّ

لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلاً. (رواه البخاری)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، سیدنا ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر (اللہ کے قہر وجلال اور قیامت وآخرت کے لرزہ خیز ہولناک احوال کے متعلق) تمہیں وہ سب معلوم ہو جائے، جو مجھے معلوم ہے، تو تمہارا ہنسا بہت کم ہو جائے، اور رونا بہت بڑھ جائے۔''

فائدہ

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی، اور اس کے قہر و جلال، اور قیامت و اخرت کے ہولناک لرزہ خیز احوال کے متعلق جو کچھ مجھے معلوم ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مجھ پر منکشف کر دیا ہے، اگر تم کو بھی اس کا پورا علم ہو جائے، اور تمہاری آنکھوں کو بھی وہ سب نظر آنے لگے جو میں دیکھتا ہوں، اور تمہارے کان بھی وہ سب کچھ سننے لگیں جو میں سنتا ہوں، تو تمہارا چین وسکون ختم ہو جائے تم بہت کم ہنسو، اور بہت زیادہ روؤ۔ اس کی مزید تفصیل حضرت ابوذر غفاریؓ کی حدیث سے معلوم ہوتی ہے۔

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رضی الله عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَالَا تَسْمَعُوْنَ اَطَّتِ السَّمَاءُ وَحُقَّ لَھَا اَنْ تَاِطَّ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَافِیْھَا مَوْضِعُ اَرْبَعِ اَصَابِعَ اِلَّا وَمَلَکٌ وَاضِعٌ جَبْھَتَہٗ سَاجِدًا لِلّٰہِ، وَاللّٰہِ لَوْتَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِکْتُمْ قَلِیْلاً وَّ لَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا وَّمَا تَلَذَّذْتُمْ بِالنِّسَاءِ عَلَی الْفُرُشَاتِ وَلَخَرَجْتُمْ اِلَی الصُّعُدَاتِ تَجْأَرُوْنَ اِلَی اللّٰہِ

قَالَ اَبُوْذَرٍّ یَالَیْتَنِیْ کُنْتُ شَجَرَۃً تُعْضَدُ.

(رواه احمد والترمذی و ابن ماجه)

"حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں عالم غیب کی وہ چیزیں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے، اور وہ آوازیں سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے، آسمان چر چرا رہا ہے، اور حق ہے کہ وہ چر چرائے۔ قسم ہے اُس رب ذوالجلال کی، جس کے قبضہ میں میری جان ہے، آسمان میں چار انگل جگہ بھی نہیں ہے، جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ اللہ کے حضور میں

اپنا ماتھا رکھے سجدے میں نہ پڑا ہو، اگر تم وہ باتیں
جانتے، جو میں جانتا ہوں، تو تم بہت کم ہنستے اور بہت
زیادہ روتے، اور بستروں پر بیویوں سے بھی لطف
اندوز نہ ہو سکتے، اور اللہ سے نالہ وفریاد اور گریہ وزاری
کرتے ہوئے بیابانوں اور جنگلوں کی طرف نکل جاتے
(اس حدیث کو نقل کر کے) ابو ذرؓ فرماتے ہیں: کاش!
میں ایک درخت ہوتا، جو کاٹ دیا جاتا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں عالم غیب کے اپنے اس ہیبت ناک انکشاف کا ذکر فرمایا ہے کہ اللہ کے جلال اور فرشتوں کی کثرت سے آسمان چرچرا رہا ہے اور چار انگل بھر جگہ بھی اس میں ایسی نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ سربسجود نہ ہو۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ ! اَللّٰہُ اَعْظَمُ!! اَللّٰہُ اَجَلّ !

آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اگر میری طرح تم بھی وہ سب کچھ جان لو، جو میں جانتا ہوں، اور جو دیکھتا سنتا ہوں، تو تم اس دنیا میں اس طرح ہنسی خوشی نہ رہ سکو، بستروں پر بیویوں سے لطف اندوزی کا بھی تم کو ہوش نہ رہے، اور گھروں سے نکل کر جنگلوں میں اللہ کے سامنے نالہ وفریاد اور گریہ و زاری کرتے پھرو۔

حدیث کے راوی حضرت ابوذر غفاریؓ پر اس حدیث کا اتنا اثر پڑا تھا کہ بعض اوقات اس حدیث کے بیان کرنے کے ساتھ ان کے دل کی یہ آواز زبان سے نکل جاتی تھی کہ:

"اے کاش! میں ایک درخت ہوتا، جس کو جڑ سے کاٹ ڈالا جاتا، اور پھر آخرت میں حساب کے لئے میری پیشی نہ ہوتی"۔

فائدہ

اللہ تعالیٰ کو انسانوں سے چونکہ خلافت ارضی کا کام لینا ہے اور وہ جب ہی ممکن ہے کہ انسان اس دنیا میں اطمینان اور سکون کے ساتھ رہ سکے، اس لئے وہ حقیقتیں اور وہ چیزیں عام انسانوں سے پردہ غیب میں رکھی گئی ہیں، جن کے انکشاف کے بعد آدمی اس دنیا میں سکون سے نہیں رہ سکتا، مثلاً قبر کا یا دوزخ کا عذاب، اور اسی طرح قیامت کے لرزہ خیز مناظر اگر اس دنیا میں ہم جیسے انسانوں پر منکشف کردیئے جائیں، اور ہم لوگ ان کو برای العین دیکھ سکیں، تو پھر اس دنیا میں ہم کوئی کام نہیں کر سکتے، بلکہ زیادہ دنوں تک زندہ بھی نہ رہ سکیں۔

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کو جو خاص کام لینا تھا، اس کے لئے ضروری تھا کہ آپ پر ان چیزوں کا انکشاف کردیا جائے،

اور ایک درجہ پر ان حقائق کا مشاہدہ آپ کو کرادیا جائے تاکہ آپ کے اندر وہ عین الیقین اور حق الیقین پیدا ہو جائے، جس کی آپ کے منصب عالی اور کارِ عظیم کے لئے ضرورت تھی۔

اس لئے اس قسم کے بہت سے غیبی حقائق آپ پر منکشف کئے گئے، اور اسی کے ساتھ حکمت خداوندی نے آپ کے قلب مبارک کو وہ غیر معمولی طاقت بھی بخشی، کہ اس انکشاف اور مشاہدہ کے باوجود آپ اپنے تمام فرائض منصبی کو بحسن وخوبی انجام دے سکیں، اور دنیا میں ایسی جامع اور معتدل زندگی گذار سکیں، جو قیامت تک پیدا ہونے والے ہر قسم اور ہر طبقے کے انسانوں کے لئے نمونہ بن سکے۔

صلی اللّٰہ علیہ و اٰلہٖ وسلم۔

جنت میں داخلے کی ضمانت

چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو اور مختصر کردیا، فرمایا:

دو چیزیں ہیں مگر ان کے صحیح استعمال کی مجھے ضمانت دے دو تو میں تمہیں جنت میں داخل ہونے کی ضمانت دیتا ہوں۔

مَا بَیْنَ لِحْیَیْهِ وَمَا بَیْنَ رِجْلَیْهِ.

”وہ جو دو جبڑوں کے درمیان (زبان) ہے اور جو دورانوں کے درمیان (شرم گاہ) ہے۔“

جوان دونوں کو صحیح استعمال کرے گا، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اس کو جنت میں داخلے کی ضمانت دیتا ہوں۔

قیامت کے دن بڑے سے بڑا عبادت گزار بھی خود کو ہیچ سمجھے گا

عَنْ عُتْبَةَ بْنِ عُبَيْدٍ رضى الله عنه رَفَعَهُ لَوْاَنَّ رَجُلاً يَخِرُّ عَلٰى وَجْهِهٖ مِنْ يَوْمِ وُلِدَ اِلٰى يَوْمِ يَمُوْتُ فِىْ مَرْضَاةِ اللّٰهِ لَحَقَّرَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ.

(رواه احمد)

"عتبہ بن عبید سے روایت ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: "اگر کوئی شخص اپنی پیدائش کے دن سے موت کے دن تک برابر اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے سجدہ میں پڑا رہے، تو قیامت کے دن اپنے اس عمل کو بھی وہ حقیر سمجھے گا۔ (مسند احمد)

فائدہ

مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن جب انسان پر وہ حقیقتیں منکشف ہوں گی، اور جزا وسزا اور عذاب وثواب کے وہ مناظر آنکھوں کے سامنے آجائیں گے، جو یہاں پردۂ غیب میں ہیں، تو اللہ کے وہ

بندے بھی جنہوں نے اپنی زندگی کا زیادہ سے زیادہ حصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گذارا ہوگا، یہی محسوس کریں گے کہ ہم نے کچھ بھی نہیں کیا۔ حتیٰ کہ اگر کوئی بندہ ایسا ہو جو پیدائش کے دن سے موت کی گھڑی تک برابر سجدہ ہی میں پڑا رہا ہو، اس کا احساس بھی یہی ہوگا، اور وہ اپنے اس عمل کو بھی ہیچ سمجھے گا۔

قیامت کے دن معمولی گناہوں کی بھی باز پرس ہوگی

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا عَائِشَةُ اِيَّاكِ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوْبِ فَاِنَّ لَهَا مِنَ اللّٰهِ طَالِبًا.

(رواه ابن ماجه)

"حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا، "اے عائشہ! اپنے کو ان گناہوں سے بچانے کی خاص طور سے کوشش اور فکر کرو، جن کو حقیر اور معمولی سمجھا جاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی بھی باز پرس ہونے والی ہے۔"

فائدہ

جن لوگوں کو آخرت اور حساب کتاب کی کچھ فکر ہوتی ہے اور

جو اللہ کے عذاب اور اس کی پکڑ سے ڈرتے ہیں، وہ کبیرہ یعنی بڑے گناہوں سے بچنے کا تو عام طور سے اہتمام کرتے ہیں، لیکن جو گناہ ہلکے اور صغیرہ سمجھتے جاتے ہیں، ان کو خفیف اور معمولی سمجھنے کی وجہ سے اللہ کے بہت سے خدا ترس بندے بھی ان سے بچنے کی فکر زیادہ نہیں کرتے، حالانکہ اس حیثیت سے کہ وہ گناہ ہیں، اور ان کے کرنے میں بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی بھی باز پرس ہونی ہے، ہمیں ان سے بچنے کی بھی پوری پوری فکر اور کوشش کرنی چاہیے۔

اللہ کی پشت پناہی حاصل کیجیے

بہر حال سارے لوگ اس وجہ سے پریشان ہوتے ہیں کہ کسی نے کچھ کر دیا ہے، بچے پر اثر ہو گیا، بیوی پر اثر ہو گیا، بیٹی پر اثر ہو گیا، جادو کر دیا، آسیب ہو گیا، کاروبار کسی نے باندھ دیا ہے اور کئی کہتے ہیں کہ جی حاسدین تو ہمیں چلنے ہی نہیں دیتے، اگر ایسی صورت حال ہے تو عملیات والوں کے پیچھے جانے کی ضرورت نہیں ہے، قرآن مجید کا عمل کریں، اللہ مخالفوں سے، حاسدوں سے حفاظت فرمائیں گے۔

دوکام کرنے پڑتے ہیں، فرمایا:

اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَايَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا. (آل عمران: ۱۲۰)

’’اگر تم صبر اختیار کرو اور تقویٰ اختیار کرو ان کے مکر تمہیں ضرر نہیں پہنچا سکتے۔‘‘

اس سے بڑی گارنٹی اور کیا ہوسکتی ہے، کسی کے پیچھے جانے کی انسان کو ضرورت نہیں ہے، صبر اور تقویٰ اختیار کرنے سے اللہ بندے کی پشت پناہی فرماتے ہیں، کوئی اس کا بال بھی بیکا نہیں کرسکتا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

وعدہ خلافی

ایک سنگین گناہ

افادات

پیر طریقت رہبر شریعت

حضرۃ مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تلمیذ رشید

شیخ الاسلام حضرۃ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز

مرشد الموحدین قطب الاقطاب حضرۃ مولانا حماد اللہ ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب وتزئین

عاصم عبداللہ

کرملی دارالکتب کراچی

جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی 2 کراچی 75230

0333-2124384

وعدہ خلافی بھی منافق کی علامت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہٗ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اٰیَۃُ الْمُنَافِقِ ثَلٰثٌ اِذَا حَدَّثَ کَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو اس کو پورا نہ کرے، اور جب اس کو کسی چیز کا امین بنا دیا جائے، تو خیانت کرے۔"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمدہ علیٰ ما انعم وعلّمنا ما لم نعلم والصّلوٰۃ علیٰ افضل الرسل واکرم. وعلیٰ آلہٖ وصحبہ وبارک وسلم. اما بعد!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قال اللہ تبارک و تعالیٰ: وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ. حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّہٗ وَاَوْفُوْا بِالْعَھْدِ اِنَّ الْعَھْدَ کَانَ مَسْئُوْلاً.

(سورۃ اسراء آیت ۳۴ پ ۱۵)

''اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ (یعنی اس میں تصرف نہ کرو) مگر ایسے طریقے سے جو کہ اچھا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے بلوغ کو پہنچ جائیں اور عہد

پورا کیا کرو بے شک عہد کے متعلق قیامت میں باز

پرس ہونے والی ہے۔''

وعدہ اور عہد کا معنیٰ و مفہوم

عہد اور وعدہ ان تمام معاملات کو شامل ہے جن کی ذمہ داری اپنے اوپر لی جائے، خواہ اس ذمہ داری کے لیے کوئی قسم کھائی جائے یا نہیں اور خواہ وہ عہد کسی کام کے کرنے کے متعلق ہو، یا نہ کرنے سے متعلق ہو، اور کسی سے معاہدہ کر کے عہد شکنی کرنا حرام اور بہت بڑا گناہ ہے۔

عہد دو طرح کا ہوتا ہے، ایک وہ ہے جو بندہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوتا ہے۔ یہ عہد، ایمان لانے پر احکامِ الٰہی کی پابندی ہے اور اسی سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو سکتی ہے۔ دوسرا عہد وہ ہے جو ایک شخص دوسرے شخص سے کرتا ہے، یا ایک جماعت دوسری جماعت سے کرتی ہے۔ اس میں وہ تمام سیاسی، تجارتی اور دوسرے معاہدات شامل ہیں جو افراد، جماعتوں یا حکومتوں کے درمیان ہوا کرتے ہیں۔ ایسے معاہدات اگر شریعت کے خلاف نہ ہوں تو ان کا پورا کرنا بھی واجب ہے اور اس طرح بڑا وقار قائم ہوتا ہے۔ اگر وہ معاہدات، شریعت کے خلاف ہوں تو دوسرے فریق کو اس کی اطلاع کر کے ان کو ختم کر دینا واجب ہے، ایسے عمل سے بھی قومی وقار بلند ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔

ایفاءِ وعدہ اور وعدہ خلافی

وعدہ کر کے پورا کرنا درحقیقت سچائی ہی کی ایک عملی قسم ہے، اور وعدہ خلافی ایک طرح کا عملی جھوٹ ہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی اخلاقی تعلیم میں وعدہ خلافی سے بچنے اور ہمیشہ وعدہ پورا کرنے کی بھی سخت تاکید فرمائی ہے۔

ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے چند اچھے اخلاق کا ذکر کر کے فرمایا کہ:

> ''جو شخص ان باتوں کی پابندی کی ذمہ داری لے، میں اس کے لئے جنت کا ذمہ لیتا ہوں، اور ان میں آپ نے ایفاء وعدہ کو بھی گنایا۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

> ''بہت کم ایسا ہوا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ہم لوگوں کو خطاب فرمایا ہو اور ایسا نہ فرمایا ہو کہ جس شخص میں امانت نہ ہو اس کا ایمان کامل نہیں اور جو شخص عہد کی پابندی نہیں کرتا اس کا دین کامل نہیں''۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ والہ وسلم امانت داری اور ایفائے عہد کے لیے بہت زیادہ تاکید فرمایا کرتے تھے، کیونکہ یہ

دونوں چیزیں اصلاحِ معاشرہ اور اتحاد باہمی کے لیے از بس ضروری ہیں، اور ان کو ملحوظ نہ رکھنے سے انفرادی اور اجتماعی برائیاں بہت زیادہ پیدا ہوجاتی ہیں۔ایک حدیث میں امانت داری اور ایفائے عہد کو دین کی تکمیل کا ذریعہ بھی فرمایا ہے۔

خود حضور انور صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے ابتدائے زندگی ہی سے ان دونوں خوبیوں کا ایسا کامل مظاہرہ فرمایا تھا کہ مشرکین بھی ہر زمانے میں آپ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کو صادق اور امین ہی کہا کرتے تھے۔

اللہ کی طرف سے عہد پورا کرنے کی تاکید

اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن پاک میں کئی جگہ ایفائے عہد کے لیے حکم فرمایا ہے۔ (سورۃ النحل، آیت ۹۱) میں ارشاد ہے:

واوفوا بِعَهْدِ اللّٰه اذا عاهدتم ولا تنقضوا الایمان بعد توکیدها وقد جعلتم الله علیکم کفیلا ط ان الله یعلم ماتفعلون .

’’جب تم آپس میں عہد کرو تو اس عہد کو پورا کرو اور پکی قسم کھاتے کے بعد ان کو نہ توڑو، اور تم نے اللہ تعالیٰ کو ضامن بنایا ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے۔‘‘

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عہد پورا کرنے کی تاکید

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کو بھی ایفائے عہد کے لیے تاکید فرمائی ہے جو اسلام سے پہلے کبھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"مجھے قریش نے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا۔ میں نے آپ کو دیکھا تو میرے دل میں ایمان کا نور چمک اٹھا۔ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! خدا کی قسم، میں قریش کی طرف ہرگز واپس نہیں جاؤں گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ: "میں عہد شکنی کرنا نہیں چاہتا، تم واپس جاؤ، تمہارے جو خیالات اب ہیں اگر یہی رہے تو واپس آجانا۔" حضرت ابورافعؓ فرماتے ہیں کہ میں چلا گیا اور دوسری دفعہ حاضر خدمت ہوکر اسلام لایا۔"

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مختلف احادیث میں ایفائے عہد کے لیے ارشادات ہیں، ایک موقع پر فرمایا کہ:

"نہ اپنے بھائی سے جھگڑا کرو، نہ اُس سے بے جا مزاح کرو اور نہ ایسا وعدہ کرو جس کی خلاف ورزی ہو۔"

ایک موقع پر یہاں تک فرمایا کہ:

''دھاگا اور سوئی تک ادا کرو اور خیانت سے بچو''۔

یعنی اگر وعدہ ہے تو ذرا ذرا سی بات پر بھی عمل ہونا چاہیئے اور دنیا کے فائدے کی پروا نہیں کرنی چاہیئے۔

منافق کی تین علامت

ثلاث من کن فیہ کان منافقا خالصا اذا حدث کذب واذا وعدا خلف وَاذا اؤتمن خان. (بخاری، کتاب الایمان، باب علامات المنافق)

''تین چیزیں ایسی ہیں کہ اگر وہ کسی انسان میں پائی جائیں تو وہ خالص منافق ہے، پہلی یہ ہے کہ جب وہ بات کرے تو جھوٹ بولے، دوسری یہ کہ جب وہ کسی سے وعدہ کرے تو وعدے کی خلاف ورزی کرے، اور جب اس کے پاس کوئی امانت رکھوائی جائے یا جب اس کو کسی چیز کا امانت دار بنایا جائے تو وہ اس میں خیانت کرے (یہ منافق کی علامات ہیں، مؤمن کا کام نہیں، اس لئے اس کی بڑی تاکید وارد ہوئی ہے)''۔

فائدہ

بہر حال منافق کی دوسری علامت جو اس حدیث میں حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمائی ہے، وہ یہ کہ وعدہ کی خلاف ورزی اور وعدہ کو توڑنا ہے، اس سے ہر مسلمان کو بچنا چاہیئے جیسے جھوٹ کی بہت سی صورتیں ایسی ہیں جن کو ہم اور آپ نے بالکل شیر مادر سمجھ لیا ہے، اور ان کو جھوٹ کی فہرست سے خارج کر دیا ہے۔ ان کو جھوٹ سمجھتے ہی نہیں، اسی طرح وعدہ خلافی کی بھی بعض صورتیں وہ ہیں۔ جن کو وعدہ خلافی کی فہرست سے خارج کر دیا گیا ہے، چنانچہ اگر کسی سے پوچھا جائے کہ وعدہ خلافی اچھی چیز ہے؟ تو جواب میں وہ یہی کہے گا کہ یہ تو بہت بری چیز اور گناہ ہے، لیکن عملی زندگی میں جب موقع آتا ہے تو اس وقت وہ وعدہ خلافی کر لیتا ہے، اور اس کو وعدہ خلافی سمجھتا ہی نہیں کہ یہ وعدہ خلافی ہے۔ اور گناہ کا کام ہے۔

وعدہ خلافی بھی منافق کی علامت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اٰیَةُ الْمُنَافِقِ ثَلٰثٌ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ. (رواه البخاری و مسلم)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ

بولے، وعدہ کرے تو اس کو پورا نہ کرے، اور جب
اس کو کسی چیز کا امین بنادیا جائے، تو خیانت کرے۔"

فائدہ

قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بھی ہے،

جنکے بیان کا خلاصہ یہ ہے: کہ جھوٹ، خیانت، اور وعدہ خلافی دراصل یہ منافقوں کے اخلاق ہیں، اور جس شخص میں یہ بری عادتیں موجود ہوں، وہ خواہ عقیدہ کا منافق نہ ہو، لیکن عمل اور سیرت میں منافق ہی ہے۔

صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں:

وَاِنْ صَلّٰی وَصَامَ وَزَعِمَ اَنَّہٗ مُسْلِمٌ.

"وہ آدمی اگر چہ نماز پڑھتا ہو اور روزہ رکھتا ہو اور
اپنے کو مسلمان بھی کہتا اور سمجھتا ہو، پھر بھی ان
بداخلاقیوں کی وجہ سے وہ ایک قسم کا منافق ہی ہے۔"

بہر حال اس حدیث میں وعدہ خلافی کو نفاق کی نشانی اور ایک منافقانہ خصلت بتلائی گئی ہے۔

وعدہ ایک قرض ہے' پورا کرنا ضروری ہے

عَنْ عَلِيٍّ وَعَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اَلْعِدَةُ دَيْنٌ. (رواه الطبرانی فی الاوسط)

''حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے فرمایا کہ: وعدہ بھی ایک طرح کا قرض ہے لہذا قرض کیطرح اس کو ادا کرنا چاہیے یعنی پورا کرنا چاہیے۔''

فائدہ

تینوں میں سے کوئی کام بھی مؤمن کا کام نہیں کہ وہ جھوٹ بولے، یا وعدہ خلافی کرے، یا امانت میں خیانت کرے، آدمی وعدہ کرنے سے پہلے سو مرتبہ سوچ لے کہ میں اس وعدے کو پورا کرسکوں گا یا نہیں، وعدہ کرنے میں جلدی کرنے کی ضرورت نہیں، لیکن جب سوچ سمجھ کر مشورہ کرکے تمام نتائج کو سامنے رکھنے کے بعد جب ایک وعدہ کرلیا تو اب مسلمان کا کام یہ ہے کہ اس وعدے پر قائم رہے، صرف ایک صورت ہے جو شریعت نے جائز قرار دی ہے، وہ یہ ہے کہ کسی کام کے کرنے کا وعدہ کیا تھا، لیکن کوئی حقیقی عذر پیش آگیا، اور عذر کی حالت اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ فرمائی ہے، اس صورت میں دوسرے آدمی کو بتادے کہ میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا، لیکن مجھے کچھ عذر پیش آگیا ہے، جس کی وجہ سے میں یہ وعدہ پورا کرنے سے

قاصر ہوں، اس میں عزت ہے، چوروں کی طرح چھپتا نہ پھرے اس میں ذلت ورسوائی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایفائے وعدہ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِی الْحَمْسَاءِ قَالَ بَایَعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ قَبْلَ اَنْ یُّبْعَثَ وَبَقِیَتْ لَهٗ بَقِیَّةٌ فَوَعَدْتُّهٗ اَنْ اٰتِیَهٗ بِهَا فِیْ مَکَانِهٖ فَنَسِیْتُ فَذَکَرْتُ بَعْدَ ثَلاَثٍ فَاِذَا هُوَ فِیْ مَکَانِهٖ فَقَالَ لَقَدْ شَقَقْتَ عَلَیَّ اَنَا هٰهُنَا مُنْذُ ثَلٰثٍ اَنْتَظِرُکَ. (رواہ ابو داؤد)

"عبداللہ بن ابی الحمساء سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے (یعنی آپ کے نبی ہونے سے پہلے) آپ سے خرید وفروخت کا ایک معاملہ کیا (پھر جو کچھ مجھے دینا تھا اس کا کچھ حصہ تو میں نے وہیں دے دیا) اور کچھ ادا کرنا باقی رہ گیا، تو میں نے آپ سے وعدہ کیا کہ میں اسی جگہ لے کر آتا ہوں پھر میں بھول گیا، اور تین دن کے بعد مجھے یاد آیا (میں اسی وقت لے کر پہنچا) تو دیکھا، کہ آپ اسی جگہ موجود ہیں، آپ نے فرمایا کہ:

تم نے مجھے بڑی مشکل میں ڈالا، اور بڑی زحمت دی،
میں تمہارے انتظار میں تین دن سے یہیں ہوں۔"

فائدہ

گویا نبی ہونے سے پہلے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنے وعدہ کی ایسی پابندی فرماتے تھے کہ تین دن تک ایک جگہ رہ کر ایک شخص کا انتظار فرماتے رہے۔

واضح رہے کہ وعدہ کی اس حد تک پابندی کرنا شرعاً ضروری نہیں ہے (جیسا کہ اس کے بعد والی حدیث سے معلوم بھی ہو جائے گا) لیکن اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی فطرت میں جو "خلقِ عظیم" ودیعت فرمایا تھا، اس کا تقاضا یہی تھا۔

صلح حدیبیہ ایفائے عہد کی شاندار مثال

ایفائے عہد کا ایک شاندار واقعہ بیعۃ الرضوان والا بھی ہے۔ یعنی ۶ھ ہجری میں حضور انور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے خواب دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اور صحابۂ کرامؓ نے (عمرہ کے لیے) سر صاف کرایا ہے یا بال کتروائے ہیں۔ اس خواب کے بعد آپؐ مع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، مکہ معظمہ کے لیے روانہ ہوئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم مقام عسفان پہنچے تو آپ کو بشیر بن سفیان نے خبر دی کہ آپ کی روانگی کی خبر سن

کہ قریش بہت بڑی جمعیت کے ساتھ نکلے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ اب دو ہی صورتیں ہیں، یا تو جہاد کر کے فتح و غلبہ حاصل کریں یا جان دیدیں۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے اور حدیبیہ کے آگے والے سرے پر جا اُترے۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس قریش کے کئی افراد پے درپے آئے، آپؐ ان سے یہی فرماتے تھے کہ ہم تو صرف زیارتِ کعبہ کے لیے آئے ہیں، جنگ و جدل کے لیے نہیں آئے۔ آخرکار جو معاہدہ ہوا جو صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے، اس پر مسلمانوں نے سختی سے عمل کیا۔

صلح حدیبیہ کی ایک اہم شرط

"صلح حدیبیہ" کے موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مشرکین مکہ سے ایک صلح نامہ لکھا تھا، اس صلح نامہ کی ایک شرط یہ تھی کہ اگر مکہ مکرمہ سے کوئی شخص مسلمان ہو کر مدینہ منورہ جائے گا تو مسلمانوں پر اس شخص کو واپس کرنا لازم ہوگا، اور اگر کوئی شخص مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ آجائے گا تو مکہ والوں پر یہ لازم نہیں ہوگا کہ اس کو واپس کریں۔ یہ ایک امتیازی قسم کی شرط تھی، جو مشرکینِ مکہ نے رکھی تھی، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس وقت مصلحت کے لحاظ سے اس شرط کو بھی قبول کرلیا

تھا، اس لئے کہ آپ جانتے تھے کہ انشاء اللہ تعالیٰ مدینہ منورہ سے تو کوئی شخص مرتد ہو کر مکہ مکرمہ نہیں جائے گا، اس وجہ سے آپ نے یہ شرط قبول کرلی تھی، لیکن یہ شرط کہ اگر کوئی شخص ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آئے گا تو اس کو واپس مکہ مکرمہ بھیجا جائے گا، یہ شرط بھی مصلحتاً آپ نے قبول فرمائی تھی۔

حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی التجاء

ابھی صلح نامہ لکھا جارہا تھا، اور ابھی بات چیت ہو ہی رہی تھی کہ اس دوران حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ایک صحابی تھے، اور مکہ مکرمہ میں مسلمان ہوگئے تھے، اور ان کا باپ کافر تھا، اس نے ان کے مسلمان ہونے کی وجہ سے ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی تھیں، اور روزانہ ان کو مارتا تھا، یہ بیچارے روزانہ اسلام کی خاطر اپنے باپ کے ظلم وستم کا سامنا کرتے تھے، جب ان کو پتہ چلا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیبیہ کے مقام پر آئے ہوئے ہیں، اور وہاں ان کا لشکر ٹھہرا ہوا ہے تو وہ کسی طرح ان بیڑیوں کے ساتھ مکہ مکرمہ سے حدیبیہ پہنچ گئے، اب آپ اندازہ لگائیں کہ وہ کس طرح وہاں پہنچے ہوں گے جبکہ ''حدیبیہ'' کا مقام مکہ مکرمہ سے دس میل کے فاصلے پر ہے۔ وہ کس مشقت اور تکلیف کے ساتھ پاؤں میں بیڑیاں ہونے کے باوجود وہاں پہنچے ہوں گے اور آکر عرض کیا کہ یارسول

اللہ میری زندگی اجیرن ہوچکی ہے، باپ نے میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈالی ہوئی ہیں، وہ صبح شام مجھے مارتا ہے، خدا کے لئے مجھے اسکے ظلم سے بچایئے، میں آپ کے پاس رہنا چاہتا ہوں۔

ابو جندل کو واپس کرنا ہوگا

وہ شخص جس کے ساتھ معاہدہ ہو رہا تھا، وہ اس وقت وہاں موجود تھا، اس شخص سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ یہ شخص بہت ستم رسیدہ ہے، کم از کم اس کی اجازت دیدو کہ میں اس شخص کو اپنے پاس رکھ لوں۔ اس شخص نے کہا کہ اگر آپ اس کو اپنے پاس رکھیں گے تو آپ سب سے پہلے غداری کے مرتکب ہوں گے، کیونکہ آپ نے عہد کرلیا ہے کہ جو شخص بھی مکہ مکرمہ سے آپ کے پاس آئے گا آپ اس کو واپس کریں گے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ شخص مظلوم ہے، اس کے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں، اور ابھی معاہدہ مکمل بھی نہیں ہوا ہے، اس پر ابھی دستخط ہونا باقی ہیں، اس لئے اس شخص کو تم چھوڑ دو۔ اس شخص نے کہا کہ میں کسی قیمت پر اس شخص کو نہیں چھوڑوں گا، اس کو واپس بھیجنا ہوگا، اب اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے جوش و خروش کا ایک عجیب عالم تھا کہ ایک شخص مسلمان ہے، کافروں کے ہاتھوں ظلم و ستم کی چکی میں پس رہا ہے، وہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پناہ چاہتا ہے، لیکن اس کو پناہ نہیں ملتی۔

میں معاہدہ کر چکا ہوں

چونکہ معاہدہ ہو چکا تھا، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اے ابو جندل! میں نے تمہیں اپنے پاس رکھنے کی بہت کوشش کی، لیکن میں معاہدہ کر چکا ہوں، اور اس معاہدے کی وجہ سے مجبور ہوں، اور میرے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے کہ تمہیں واپس بھیجوں، انہوں نے فرمایا: یا رسول اللہ آپ مجھے درندوں کے پاس واپس بھیجیں گے؟ جو صبح شام میرے ساتھ درندگی کا برتاؤ کرتے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ میں مجبور ہوں، اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کوئی راستہ نکالیں گے، میں چونکہ عہد کر چکا ہوں، اس عہد کی پابندی کرنی ضروری ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کی پابندی کی مثال

آپ اندازہ لگایئے، اس سے زیادہ عہد کی پابندی کی کوئی مثال شاید دنیا نہ پیش کر سکے کہ ایسے ستم رسیدہ شخص کو واپس کر دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی رہائی کے لئے اور اسباب پیدا کر دیے، جس کا لمبا واقعہ ہے، بہر حال: میں یہ عرض کر رہا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کافروں کے

ساتھ بھی عہد کی کس قدر پابندی فرمائی، لہٰذا مسئلہ یہ نہیں ہے کہ جس کے ساتھ ہم نے عہد کیا ہے، وہ کافر ہے، یا فاسق ہے، یا بدعنوان ہے، یا رشوت خور ہے، جب عہد کرلیا تو اب اس کی پابندی ضروری ہے، ہاں، یہ ضروری ہے کہ ایسے رشوت خور کرپٹ حکام کو ہٹا کر ان کی جگہ دوسرے عادل حکمراں لانے کی کوشش اپنی جگہ لازم اور ضروری ہے، لیکن جہاں تک عہد کا تعلق ہے، اگر ان حکام کے ساتھ کوئی عہد کیا ہے تو اس عہد کی پابندی ضروری ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا ابوجہل سے وعدہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے ایسے وعدوں کو نبھایا کہ اللہ اکبر آج اس کی نظیر نہیں پیش کی جاسکتی، حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابی ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راز دار ہیں۔ جب یہ اور ان کے والد یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہوئے، تو مسلمان ہونے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مدینہ طیبہ آرہے تھے، راستے میں ان کی ملاقات ابوجہل اور اس کے لشکر سے ہوگئی، اس وقت ابوجہل اپنے لشکر کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کیلئے جارہا تھا، جب حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملاقات ابوجہل سے ہوئی تو اس نے پکڑلیا اور پوچھا کہ کہاں جارہے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ ہم حضور اقدس ؐ کی خدمت میں مدینہ طیبہ جارہے ہیں، ابوجہل نے

کہا کہ پھر تو ہم تمہیں نہیں چھوڑیں گے، اس لئے کہ تم مدینہ جا کر ہمارے خلاف جنگ میں حصہ لو گے، انہوں نے کہا کہ ہمارا مقصد تو صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات اور زیارت ہے، ہم جنگ میں حصہ نہیں لیں گے، ابوجہل نے کہا کہ اچھا ہم سے وعدہ کرو کہ وہاں جا کر صرف ملاقات کرو گے، لیکن جنگ میں حصہ نہیں لو گے، انہوں نے وعدہ کرلیا، چنانچہ ابوجہل نے آپ کو چھوڑ دیا، آپ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے، اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ غزوہ بدر کے لئے مدینہ منورہ سے روانہ ہو چکے تھے اور راستے میں ملاقات ہوگئی۔

حق اور باطل کا پہلا معرکہ ''غزوہ بدر''

اب اندازہ لگائیے کہ اسلام کا پہلا حق و باطل کا معرکہ (غزوہ بدر) ہو رہا ہے۔ اور یہ وہ معرکہ ہے جس کو قرآن کریم نے ''یوم الفرقان'' فرمایا، یعنی حق و باطل کے درمیان فیصلہ کر دینے والا معرکہ، وہ معرکہ ہو رہا ہے جس میں جو شخص شامل ہوگیا، وہ ''بدری'' کہلایا، اور صحابہ کرام میں ''بدری'' صحابہ کا بہت اونچا مقام ہے اور اسمائے بدریین'' بطور وظیفے کے پڑھے جاتے ہیں۔ ان کے نام پڑھنے سے اللہ تعالیٰ دعائیں قبول فرماتے ہیں۔ وہ ''بدریین'' جن کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

یہ پیشن گوئی فرمادی کہ اللہ تعالیٰ نے سارے اہل بدر، جنہوں نے بدر کی لڑائی میں حصہ لیا۔ بخشش فرمادی، ایسا معرکہ ہونے والا ہے۔

گردن پر تلوار رکھ کر لیا جانے والا وعدہ

بہر حال جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سارا قصہ سنادیا کہ اس طرح راستے میں ہمیں ابوجہل نے پکڑ لیا تھا اور ہم نے وعدہ کر کے بمشکل جان چھڑائی کہ ہم لڑائی میں حصہ نہیں لیں گے اور پھر درخواست کی کہ یا رسول اللہ! یہ بدر کا معرکہ ہونے والا ہے آپ اس میں تشریف لے جارہے ہیں، ہماری بڑی خواہش ہے کہ ہم بھی اس میں شریک ہو جائیں، اور جہاں تک اس وعدے کا تعلق ہے، وہ تو انہوں نے ہماری گردن پر تلوار رکھ کر ہم سے وعدہ لیا تھا کہ ہم جنگ میں حصہ نہیں لیں گے، اور اگر ہم وعدہ نہ کرتے تو وہ ہمیں نہ چھوڑتے، اس لئے ہم نے وعدہ کرلیا، لیکن آپ ہمیں اجازت دیدیں، کہ ہم اس جنگ میں حصہ لے لیں، اور فضیلت اور سعادت ہمیں حاصل ہو جائے۔ (الاصابۃ ج۱ ص۳۱۶)

تم وعدہ کر کے اور زبان دے کر آئے ہو

لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ نہیں، تم وعدہ کر کے آئے ہو، اور زبان دے کر آئے ہو، اور اسی شرط پر

تمہیں رہا کیا گیا ہے کہ تم وہاں جا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرو گے، لیکن ان کے ساتھ جنگ میں حصہ نہیں لو گے، اس لئے میں تم کو جنگ میں حصہ لینے کی اجازت نہیں دے سکتا۔

یہ وہ مواقع ہیں جہاں انسان کا امتحان ہوتا ہے کہ وہ اپنے وعدے کا کتنا پاس کرتا ہے۔ اگر ہم جیسا آدمی ہوتا تو ہزار تاویلیں کر لیتا، مثلاً یہ تاویل کر لیتا کہ ان کے ساتھ جو وعدہ کیا تھا، وہ سچے دل سے تو نہیں کیا تھا، وہ تو ہم سے زبردستی لیا گیا تھا، اور خدا جانے کیا کیا تاویلیں ہمارے ذہنوں میں آجاتیں۔ یا یہ تاویل کر لیتا کہ یہ حالتِ عذر ہے اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شامل ہونا ہے اور کفر کا مقابلہ کرنا ہے۔ جب کہ وہاں ایک ایک آدمی کی بڑی قیمت ہے۔ اس لئے کہ مسلمانوں کے لشکر میں صرف ۳۱۳ نہتے افراد ہیں، جن کے پاس صرف ۷۰ اونٹ، ۲ گھوڑے اور ۸ تلواریں ہیں۔ باقی افراد میں سے کسی نے لاٹھی اٹھالی ہے، کسی نے ڈنڈے، اور کسی نے پتھر اٹھالیے ہیں، یہ لشکر ایک ہزار مسلح سورماؤں کا مقابلہ کرنے کے لئے جا رہا ہے، اس لئے ایک ایک آدمی کی جان قیمتی ہے۔ لیکن محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ جو بات کہہ دی گئی ہے، اور جو وعدہ کر لیا گیا ہے اس، اس وعدہ کی خلاف ورزی نہیں ہو گی۔

یہ ہے وعدہ کا ایفاء

لیکن وہاں تو ایک ہی مقصد تھا، یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا، نہ

مال مقصود ہے، نہ فتح مقصود ہے، نہ بہادر کہلانا مقصود ہے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا اس میں ہے کہ جو وعدہ کرلیا جائے، اس کو نبھایا جائے، چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے والد حضرت یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، دونوں کو غزوہ بدر جیسی فضیلت سے محروم رکھا گیا، اس لئے کہ یہ دونوں جنگ میں شرکت نہ کرنے پر زبان دے کر آئے تھے، یہ ہے وعدہ کا ایفاء۔

اگر آج اس کی مثال تلاش کریں تو اس دنیا میں ایسی مثالیں کہاں ملیں گی؟ ہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے غلاموں میں ایسی مثالیں مل جائیں گی۔ انہوں نے یہ مثالیں قائم کیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان صحابہ کرام میں سے ہیں جن کے بارے میں لوگوں نے معلوم نہیں کیا کیا غلط قسم کے پروپیگنڈے کئے ہیں، اللہ تعالیٰ بچائے، آمین. لوگ ان کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں، ان کا بھی ایک قصہ سن لیجئے۔

حضرت معاویہؓ کی فتح حاصل کرنے کے لئے جنگی تدبیر

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ شام میں تھے، اس لئے روم کی حکومت سے ان کی ہر وقت جنگ رہتی تھی، ان کے ساتھ برسرپیکار رہتے تھے اور روم اس وقت کی سپر پاور سمجھی جاتی تھی، اور بڑی عظیم الشان عالمی طاقت تھی۔ ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے

ساتھ جنگ بندی کا معاہدہ کرلیا اور ایک تاریخ متعین کرلی کہ اس تاریخ تک ہم ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے، ابھی جنگ بندی کی مدت ختم نہیں ہوئی تھی کہ اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں خیال آیا کہ جنگ بندی کی مدت تو درست ہے لیکن اس مدت کے اندر میں اپنی فوجیں رومیوں کی سرحد پر لیجا کر ڈال دوں، تا کہ جس وقت جنگ بندی کی مدت ختم ہو اس وقت میں فوراً حملہ کردوں، اس لئے کہ دشمن کے ذہن میں تو یہ ہوگا کہ جب جنگ بندی کی مدت ختم ہوگی، پھر کہیں جا کر لشکر روانہ ہوگا، اور یہاں آنے میں وقت لگے گا، اس لئے معاہدے کی مدت ختم ہوتے ہی فوراً مسلمانوں کا لشکر حملہ آور نہیں ہوگا، اور اس حملے کے لئے تیار نہیں ہوں گے، لہٰذا اگر میں اپنا لشکر سرحد پر ڈال دوں گا، اور مدت ختم ہوتے ہی فوراً حملہ کردوں گا تو جلدی فتح حاصل ہوجائے گی۔

یہ معاہدے کی خلاف ورزی ہے

چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی فوجیں سرحد پر ڈال دیں، اور فوج کا کچھ حصہ سرحد کے اندران کے علاقے میں ڈال دیا، اور حملے کے لئے تیار ہوگئے اور جیسے ہی جنگ بندی کے معاہدے کی آخری تاریخ کا سورج غروب ہوا، فوراً حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لشکر کو پیش قدمی کا حکم دیدیا، چنانچہ جب لشکر نے پیش قدمی کی تو یہ چال بڑی

کامیاب ثابت ہوئی، کیوں کہ وہ لوگ اس حملے کے لئے تیار نہیں تھے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لشکر شہر کے شہر، بستیاں کی بستیاں فتح کرتا ہوا چلا جارہا تھا، اب فتح کے نشے کے اندر پورا لشکر آگے بڑھتا جارہا تھا کہ اچانک دیکھا کہ پیچھے سے ایک گھوڑا سوار دوڑتا چلا آرہا ہے، اس کو دیکھ کر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے انتظار میں رک گئے کہ شاید یہ امیر المؤمنین کا کوئی نیا پیغام لے کر آیا ہو، جب وہ گھوڑا سوار قریب آیا تو اس نے آوازیں دینا شروع کردیں:

"اللہ اکبر، الله اکبر، قفوا عباد الله قفوا عباد الله"

"اللہ کے بندو، ٹھہر جاؤ اللہ کے بندو ٹھہر جاؤ۔"

جب وہ اور قریب آیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ وہ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ:

وفاء لا غدر وفاء لا غدر.

مؤمن کا شیوہ وفاداری ہے، غداری نہیں، عہد شکنی نہیں، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے تو کوئی عہد شکنی نہیں کی ہے۔ میں نے تو اس وقت حملہ کیا ہے جب جنگ بندی کی مدت ختم ہوگئی تھی، حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگرچہ جنگ بندی کی

مدت ختم ہوگئی تھی۔ لیکن آپ نے اپنی فوجیں جنگ بندی کے دوران ہی سرحد پر ڈال دیں اور فوج کا کچھ حصہ سرحد کے اندر بھی داخل کر دیا تھا، اور یہ جنگ بندی کے معاہدے کی خلاف ورزی تھی، اور میں نے اپنے کانوں سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ:

"من كان بينه و بين قوم عهد فلا يحلنه و لا ولا يسدنه الى ان يمضى اجل له اوينبذ اليهم على سواء" (ترمذى، كتاب الجهاد، باب في الغدر، حديث ١٥٨٠)

"جب تمہارا کسی قوم کے ساتھ معاہدہ ہو تو اس وقت تک عہد نہ کھولے، اور نہ باندھے، یہاں تک کہ اس کی مدت نہ گزر جائے، یا ان کے سامنے پہلے کھلم کھلا یہ اعلان کر دے کہ ہم نے وہ عہد ختم کر دیا، لہٰذا مدت گزرنے سے پہلے یا عہد کے ختم کرنے کا اعلان کئے بغیر ان کے علاقے کے پاس لیجا کر فوجوں کو ڈال دینا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق یہ عہد شکنی ہے جو آپ کے لئے جائز نہیں تھا۔"

سارا مفتوحہ علاقہ واپس کر دیا

اب آپ اندازہ لگائیے کہ ایک فاتح لشکر ہے، جو دشمن کا علاقہ فتح

کرتا ہوا جا رہا ہے، اور بہت بڑا علاقہ فتح کر چکا ہے، اور فتح کے نشے میں چور ہے۔ لیکن جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد کان میں پڑا کہ اپنے عہد کی پابندی مسلمان کے ذمے لازم ہے۔ اسی وقت حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دے دیا کہ جتنا علاقہ فتح کیا ہے۔ وہ سب واپس کر دو، چنانچہ پورا علاقہ واپس کر دیا، اور اپنی سرحد میں دوبارہ واپس آگئے۔ پوری دنیا کی تاریخ میں کوئی قوم اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتی کہ اس نے صرف عہد شکنی کی بنا پر اپنا مفتوحہ علاقہ اس طرح واپس کر دیا ہو۔ لیکن یہاں پر چونکہ کوئی زمین کا حصہ حاصل کرنا پیش نظر نہیں تھا کوئی اقتدار اور سلطنت مقصود نہیں تھی، بلکہ مقصود اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا تھا، اس لئے جب اللہ تعالیٰ کا حکم معلوم ہو گیا کہ وعدہ کی خلاف ورزی درست نہیں ہے، اور چونکہ یہاں وعدہ کی خلاف ورزی کا تھوڑا سا شائبہ پیدا ہو رہا تھا۔ اس لئے واپس لوٹ گئے، یہ ہے وعدہ کہ جب زبان سے بات نکل گئی تو اب اس کی خلاف ورزی نہیں ہو گی۔

جو شخص اپنا وعدہ پورا کرنے سے پہلے مر جائے تو اس کا جانشین اس کا وعدہ پورا کرے

عن جابرٍ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قَالَ لَمَّا مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

وَجَاءَ اَبَا بَكْرٍ مَالاً مِنْ قِبَلِ الْعَلَاءِ بْنِ الْحَضْرَمِيِّ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ مَنْ كَانَ لَهُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ عَيْنٌ اَوْ كَانَتْ لَهُ قِبَلَهُ عِدَةٌ فَلْيَأْتِنَا قَالَ جَابِرٌ فَقُلْتُ وَعَدَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اَنْ يُّعْطِيَنِيْ هٰكَذَا و هٰكَذَا و هٰكَذَا فَبَسَطَ يَدَيْهِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ قَالَ جَابِرٌ فَحَثّٰى لِيْ حَثْيَةً فَعَدَدْتُهَا فَاِذَا هِيَ خَمْسُ مِاٰةٍ وَ قَالَ خُذْ مِثْلَيْهَا . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

''حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے اور (خلیفہ اول) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس علاء بن حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں سے مال آیا (جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بحرین کا عامل مقرر کیا تھا) تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ جس شخص کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرض ہو یا جس شخص سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ (دینے کا) وعدہ کیا ہو تو اس کو چاہیئے کہ وہ

ہمارے پاس آئے۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ (یہ
سنکر) میں نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے اتنا اور اتنا اور اتنا دینے کا مجھ سے وعدہ فرمایا تھا (
یہ کہہ کر) حضرت جابرؓ نے اپنے دونوں ہاتھ تین مرتبہ
کھولے (یعنی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
اپنے ہاتھوں کو تین مرتبہ کھول کھول کر دکھایا اور واضح
کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے یہ
وعدہ فرمایا تھا کہ مال آتے پر میں تمہیں تین مرتبہ
دونوں ہاتھ بھر بھر کر دوں گا) حضرت جابرؓ کہتے ہیں
کہ پس حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بار
دونوں اپنے (دونوں ہاتھ) بھر کر مجھ کو (زرِنقد) عطا
فرمایا، میں نے اس کو شمار کیا تھا تو وہ تعداد میں پانچ سو
تھے پھر انہوں نے فرمایا کہ اسی طرح دو مرتبہ اور لے لو
(یعنی ایک ہزار گن کر اور لے لو تا کہ کم وبیش نہ ہو)۔''

فائدہ

اس سے معلوم ہوا کہ جیسے میت کا قرضہ ادا کرنا مستحب ہے، ایسے ہی جانشین کو اپنے مُورث کا وعدہ پورا کرنا چاہئے۔ اس سے وعدہ کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ اس مضمون پر مزید ایک حدیث درج ذیل سطور سے ملاحظہ فرمائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدہ کا حضرت ابوبکرؓ کی طرف سے ایفاء

وعن ابی جحیفة رضی الله عنه قال رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم ابیض قد شاب وکان الحسن بن علی یشبهه وامرلنا بثلثة عشر قلوصا فذهبنا نقبضها فاتانا موته فلم یعطونا شیئا فلما قام ابوبکر قال من کانت له عند رسول الله صل الله علیه وسلم عدة فلیجئ فقمت الیه فاخبرته فامرلنا بها.

رواہ الترمذی.

”حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ (سرخی مائل) سفید تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑھاپا ظاہر ہو چکا تھا (اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی داڑھی کے بال سفید نہیں تھے) اور حضرت حسن ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جسم کے اوپر کے حصہ کے اعتبار سے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت مشابہ تھے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری جماعت کو تیرہ جوان اونٹنیاں دیئے جانے کا حکم فرمایا تھا، چنانچہ ہم ان اونٹنیوں کو لینے گئے تو اسی دوران ہمیں آنحضرت کی وفات کی خبر ملی اور ہمیں کچھ بھی نہیں دیا گیا۔ پھر جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (خلیفۂ اول قرار پانے اور خطبہ دینے کے لئے) کھڑے ہوئے تو فرمایا کہ جس شخص سے رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کچھ دینے کا وعدہ فرمایا ہو اس کو چاہئے کہ وہ ہمارے پاس آئے، میں (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد سن کر (ان کے سامنے جا کھڑا ہوا اور ان کو اس بارے میں بتایا (کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ہمیں تیرہ ۱۳ اونٹنیاں دینے کا وعدہ فرمایا تھا) چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیں تیرہ اونٹنیاں دینے کا حکم فرمایا۔"

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور معاہدہ کی تکمیل

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب بیت المقدس فتح کیا تو اس وقت وہاں پر جو عیسائی اور یہودی تھے، ان سے یہ معاہدہ ہوا کہ ہم

تمہاری حفاظت کریں گے، تمہاری جان و مال کی حفاظت کریں گے، اور اس کے معاوضے میں تم ہمیں جزیہ ادا کرو گے، ''جزیہ'' ایک ٹیکس ہوتا ہے، جو غیر مسلموں سے وصول کیا جاتا ہے، چنانچہ جب معاہدہ ہوگیا تو وہ لوگ ہر سال جزیہ ادا کرتے تھے، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ مسلمانوں کا دوسرے دشمنوں کے ساتھ معرکہ پیش آگیا، جس کے نتیجے میں وہ فوج جو بیت المقدس میں متعین تھی ان کی ضرورت پیش آئی۔ کسی نے یہ مشورہ دیا کہ اگر فوج کی کمی ہے تو بیت المقدس میں فوجیں بہت زیادہ ہیں اس لئے وہاں سے ان کو محاذ پر بھیج دیا جائے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ مشورہ اور تجویز تو بہت اچھی ہے کہ فوجیں وہاں سے اٹھا کر محاذ پر بھیج دو، لیکن اس کے ساتھ ایک کام اور بھی کرو۔ وہ یہ کہ بیت المقدس کے جتنے عیسائی اور یہودی ہیں۔ ان سب کو ایک جگہ جمع کرو، اور ان سے کہو کہ ہم نے آپ کی جان و مال کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا، اور یہ معاہدہ کیا تھا کہ آپ کی جان و مال کی حفاظت کریں گے اور اس کام کے لئے ہم نے وہاں فوج ڈالی ہوئی تھی۔ لیکن اب ہمیں دوسری جگہ فوج کی ضرور پیش آگئی ہے، اس لئے ہم آپ کی حفاظت نہیں کرسکتے، لہٰذا اس سال آپ نے ہمیں جو جزیہ بطور ٹیکس کے ادا کیا ہے، وہ ہم آپ کو واپس کررہے ہیں، اور اس کے بعد ہم اپنی فوجوں کو یہاں سے لے جائیں گے اور اب آپ اپنی حفاظت کا انتظام خود کریں۔ یہ مثالیں ہیں، اور میں کسی تردید کے خوف

کے بغیر کہہ سکتا ہوں کہ دنیا میں کوئی قوم ایسی مثال پیش نہیں کرسکتی کہ کسی نے اپنے مخالف مذہب والوں کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کیا ہو۔

بہر حال: مؤمن کا کام یہ ہے کہ وہ عہد اور وعدے کی پابندی کرے، اللہ تعالیٰ ہمیں وعدے کی پابندی کی توفیق عطا فرمائے، اور ہر طرح کی عہد شکنی اور خلاف ورزی سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

یہ وعدہ کی خلاف ورزی نہیں

عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ رضی الله عنهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ وَعَدَ رَجُلاً فَلَم يَاتِ اَحَدُهُمَا اِلىٰ وَقْتِ الصَّلٰوةِ وَ ذَهَبَ الَّذِیْ جَاءَ لِيُصَلِّىَ فَلاَ اِثْمَ عَلَيْهِ.

(رواہ رزین)

”حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی دوسرے شخص سے (کسی جگہ آکر ملنے کا) وعدہ کیا، پھر نماز کے وقت تک اُن میں سے ایک نہیں آیا (اور دوسرا وقت معین پر مقرر جگہ پر پہنچ گیا اور نہ آنے والے کا انتظار کرتا رہا، یہاں تک کہ نماز کا وقت آگیا)

اور یہ پہنچ جانے والا نماز پڑھنے کے لئے مقرر جگہ سے
چلا گیا، تو اس کو کوئی گناہ نہ ہوگا۔"

فائدہ

مطلب یہ ہے کہ جب وعدہ کے مطابق یہ شخص مقررہ جگہ پر پہنچ گیا، اور کچھ دیر تک دوسرے آدمی کا انتظار بھی کرتا رہا، تو اُسنے اپنا حق ادا کر دیا، اب اگر نماز کا وقت آجانے پر یہ شخص نماز پڑھنے کے لئے چلا جائے، یا اپنی کسی دوسری ضرورت سے چلا جائے، تو اس پر وعدہ خلافی کا الزام نہیں آئے گا، اور یہ گناہ گار نہیں ہوگا۔

سچی نیّت سے کیا جانے والا وعدہ اگر پورا نہ ہو سکے تو گناہ نہیں

عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَم رضی الله عنهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا وَعَدَ الرَّجُلُ اَخَاهُ وَمِنْ نِيَّتِهٖ اَنْ يَّفِيَ وَلَمْ يَجِئْ لِلْمِيْعَادِ فَلاَ اِثْمَ عَلَيْهِ. (رواه ابو داؤد والترمذی)

"حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب کسی آدمی نے اپنے کسی بھائی سے آنے کا وعدہ کیا، اور اس کی نیت یہی تھی کہ وہ وعدہ پورا کرے گا، لیکن (کسی وجہ سے) وہ مقررہ

وقت پر آیا نہیں، تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔"

فائدہ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص نے کوئی وعدہ کیا، اور نیت اس کو پورا کرنے کی ہی تھی، لیکن کسی وجہ سے وہ اپنا وعدہ پورا نہ کرسکا تو عند اللہ گناہ گار نہ ہوگا، لیکن اگر نیت ہی وعدہ پورا کرنے کی نہ تھی، اور اس کا یہ وعدہ ایک طرح کا فریب تھا، تو اس کے گناہ گار ہونے میں شبہ نہیں۔

عہد فاروقی میں وفائے عہد کا مثالی واقعہ

ایک دن حضرت فاروق اعظمؓ کا سادہ دربارِ خلافت سرگرم انصاف و عدل تھا۔ اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین موجود تھے۔ اور مختلف معاملات پیش ہو ہو کر طے ہورہے تھے کہ اچانک ایک خوش رو نوجوان کو دو نوجوان پکڑے ہوئے لائے اور فریاد کی:

"یا امیر المومنینؓ! اس ظالم سے ہمارا حق دلوایئے۔ اس لئے کہ اس نے ہمارے بوڑھے باپ کو مار ڈالا ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس نوجوان کی طرف دیکھ کر فرمایا:

"ہاں دونوں کا دعویٰ تو سن چکا، اب بتا تیرا کیا جواب ہے۔"

اس نے نہایت ہی فصاحت و بلاغت سے پورا واقعہ بیان کیا، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ:

"ہاں مجھ سے یہ جرم ضرور ہوا ہے اور میں نے طیش

میں آ کر ایک پتھر کھینچ مارا جس کی ضرب سے وہ پیر
ضعیف مر گیا"۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تو تجھے اعتراف ہے، لہٰذا اب قصاص کا عمل لازمی ہو گیا اور اس کے عوض تجھے اپنی جان دینی ہوگی۔

جوان نے سر جھکا کر عرض کیا:

"مجھے امام کے حکم اور شریعت اسلام کا فتویٰ ماننے میں کوئی عذر نہیں لیکن ایک بات کی درخواست ہے۔"

ارشاد ہوا وہ کیا؟

عرض کیا:

"میرا ایک چھوٹا نابالغ بھائی ہے۔ جس کے والد مرحوم نے کچھ سونا چھوڑا تھا اور میرے سپرد کیا تھا کہ وہ بالغ ہو تو اس کے سپرد کروں، میں نے اس سونے کو ایک جگہ زمین میں دفن کر دیا اور اس کا حال سوائے میرے کسی کو معلوم نہیں ہے۔ اگر وہ سونا اس کو نہ پہنچا تو قیامت کے دن میں ذمہ دار قرار دیا جاؤں گا، اس لیئے اتنا چاہتا ہوں کہ تین دن کے لیے ضمانت پر چھوڑ دیا جاؤں"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں سر جھکا کر غور فرمایا

اور پھر سر اٹھا کر پوچھا:

''اچھا کون ضمانت دیتا ہے کہ تو تین دن کے بعد تکمیل قصاص کے لیے چلا آئے گا؟''

فاروقِ اعظم کے اس ارشادِ فیض بنیاد پر اس نوجوان نے چاروں طرف دیکھا اور حاضرین کے چہروں پر ایک سرسری نظر ڈالی اور پھر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ کر کے عرض کیا:

''یہ میری ضمانت لیں گے''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تم ضمانت لیتے ہو؟''

انہوں نے فرمایا:

''بیشک میں ضمانت لیتا ہوں کہ نوجوان تین دن بعد حاضر ہو جائے گا۔''

یہ ایسے جلیل القدر صحابی کی ضمانت تھی کہ حضرت عمر بھی راضی ہو گئے۔ ان دونوں مدعی نوجوانوں نے بھی اپنی رضامندی ظاہر کی اور وہ شخص چھوڑ دیا گیا۔

اب تیسرا دن تھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دربار بدستور قائم ہوا۔ تمام جلیل القدر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین جمع ہوئے وہ دونوں نوعمر مدعی بھی آئے، حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تشریف لائے اور وقت

مقررہ پر مجرم کا انتظار ہونے لگا۔ وقت تیزی سے گذر رہا تھا، لیکن مجرم کا نام ونشان بھی نہیں تھا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے تشویش پیدا ہو رہی تھی۔ دونوں نوجوانوں نے بڑھ کر کہا:

"اے ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! ہمارا مجرم کہاں ہے؟"

انہوں نے کمال استقلال اور ثابت قدمی سے جواب دیا کہ: "اگر تیسرے دن کا وقت مقررہ گزر گیا اور وہ نہ آیا تو خدا کی قسم میں اپنی ضمانت پوری کروں گا"۔

عدالت فاروقی بھی جوش میں آئی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سنبھل کر بیٹھے اور فرمایا:

"اگر مجرم نہ آیا تو ابوذر رضی اللہ عنہ کے ساتھ وہی کارروائی کی جائے گی جس کی شریعت اسلامی تقاضا کرتی ہے"۔

جلاد تلوار سمیت اپنی مقررہ جگہ پر بالکل تیار حالت میں چوکس کھڑا ہو گیا، گویا گردن اڑانے کے حکم کا منتظر ہے، عوام الناس کے دل اس تصور ہی سے کانپ رہے تھے کہ اگر نوجوان قاتل نہ آیا تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کی گردن اڑادی جائے گی، اس کے سوا کوئی چارہ

اور راستہ بھی تو نہیں تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان مبارک سے ہر حال میں شریعت کے احکامات کی پاسداری کی ہدایت جاری ہوتے ہی ہزاروں افراد کے مجمع میں سکتہ طاری ہوگیا، بعض آنکھیں آبدیدہ اور بعض آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری ہونے لگے۔ بے بس، لاچار اور رنجیدہ دل صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے دونوں مدعی بھائیوں سے خون بہا معاف کردینے کی درخواست کی، لیکن انہوں نے قطعی انکار کیا کہ:

''ہم خون کے بدلے خون ہی چاہتے ہیں''۔

لوگ اسی پریشانی میں تھے کہ ناگہاں وہ مجرم نمودار ہوا، اس حالت میں کہ پسینے میں ڈوبا ہوا اور سانس پھولی ہوئی، وہ آتے ہی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آیا، خندہ جبینی سے سلام کیا اور عرض کیا:

''میں نے اس بچے کو اس کے ماموں کے سپرد کر آیا ہوں اور اس کی جائداد انہیں بتادی، اب آپ جو خدا تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہو بجالائیں''۔

اب حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''امیر المؤمنین! خدا کی قسم میں جانتا بھی نہ تھا کہ یہ کون اور کہاں کا رہنے والا ہے؟ اور نہ اس روز سے

پہلے کبھی اس کی صورت دیکھی تھی۔ مگر اور سب کو چھوڑ
کر مجھے اس نے اپنا ضامن بنایا تو مجھے انکار کرنا
روت کے خلاف معلوم ہوا اور اس کے بشرے نے
یقین دلایا کہ یہ شخص اپنے عہد میں سچا ہوگا۔ اس لیے
ضمانت کرلی۔''

اس کے آپہنچنے سے حاضرین میں ایسا غیر معمولی جوش پیدا ہو گیا تھا کہ دونوں مدعی نوجوانوں نے خوشی میں آکر عرض کیا:

''امیر المؤمنین! ہم نے اپنے باپ کا خون معاف کردیا۔''

سب کی طرف سے ایک نعرہ مسرت بلند ہوا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا چہرہ مارے مسرت کے چمکنے لگا اور فرمایا:

''مدعی نوجوانو! تمہارے باپ کا خون بہا میں بیت
المال سے ادا کردوں گا اور تم اپنی اس نیک نفسی کے
ساتھ فائدہ بھی اُٹھاؤ گے''۔

انہوں نے عرض کیا:

''امیر المؤمنین! ہم اس حق کو خالص خدا کی خوشنودی
کے لیے معاف کرچکے، لہٰذا اب ہمیں کچھ لینے کا حق
نہیں ہے اور نہ لیں گے۔''

غرض اس عجیب وغریب وفائے عہد کا واقعہ اس مسرت وشادمانی پر ختم ہوا۔

ایفائے عہد کے ایسے بے مثل واقعے کو آج کی تاریخ کے ہزاروں اوراق میں بھی پھر کسی نے نہیں دیکھا اور شاید نہ دیکھے گا۔ یہ سب کچھ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا صدقہ ہے۔

ملکی قانون کی پابندی کرنا ایک وعدہ ہے

ایک بات عرض کرتا ہوں، جس کی طرف عام لوگوں کو توجہ نہیں ہے، اور اس کو دین کا معاملہ نہیں سمجھتے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ (آمین)

وہ فرمایا کرتے تھے کہ وعدہ صرف زبانی نہیں ہوتا، بلکہ وعدہ عملی بھی ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص ایک ملک میں بطور باشندہ کے رہتا ہے تو وہ شخص عملاً اس حکومت سے وعدہ کرتا ہے کہ میں آپ کے ملک کے قوانین کی پابندی کروں گا، لہٰذا اب اس شخص پر اس وعدے کی پابندی کرنا واجب ہے، جب تک اس ملک کا قانون اس کو کسی گناہ کرنے پر مجبور نہ کرے، اس لئے کہ اگر کوئی قانون اس کو گناہ کرنے پر مجبور کر رہا ہے تو پھر اس قانون پر عمل کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ اس کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صاف ارشاد ہے کہ:

لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق.

(مصنف ابن ابی شیبة ج/ ۱۲، ص/ ۵۴۶)

''خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں''۔

''ویزا'' لینا ایک عملی وعدہ ہے

اسی طرح جب آپ ویزہ لے کر دوسرے ملک جاتے ہیں، چاہے وہ غیر مسلم ملک ہو، مثلاً ہندوستان، امریکہ یا یورپ ویزہ لے کر چلے گئے، یہ ویزہ لینا عملاً ایک وعدہ ہے کہ ہم حتی الامکان اس ملک کے قوانین کی پابندی کریں گے، جب تک وہ قانون کسی گناہ پر مجبور نہ کرے، ہاں اگر وہ قانون گناہ پر مجبور کرے تو پھر اس قانون کی پابندی جائز نہیں۔ لہٰذا جو قوانین ایسے ہیں، جو انسان کو کسی گناہ پر مجبور نہیں کرتے، یا ناقابل برداشت ظلم کا سبب نہیں بنتے تو قوانین کی پابندی بھی وعدہ کی پابندی میں داخل ہے۔

بچے سے کیا ہوا وعدہ بھی پورا کیا جائے

وعن عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ دَعَتْنِیْ اُمِّیْ یَوْمًا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ فِیْ بَیْتِنَا فَقَالَتْ هَا تَعَالَ اُعْطِیْکَ فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ مَا اَرَدْتِ اَنْ تُعْطِیْهِ قَالَ اَرَدْتُ اَنْ اُعْطِیَهٗ تَمْرًا فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَمَا اَنَّكِ لَوْلَمْ تُعْطِهٖ شَيْئًا كُتِبَتْ عَلَيْكِ كَذْبَةٌ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ.

''اور حضرت عبداللہ ابن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن میری والدہ نے مجھے اپنے پاس بلایا اور کہا کہ لو آؤ میں تمہیں ایک چیز) دوں گی اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر میں تشریف فرما تھے، (جب میری والدہ نے مجھ سے کہا تو) رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم نے اس کو کیا چیز دینے کا ارادہ کیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ میں اس کو ایک کھجور دینا چاہتی تھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (یہ سن کر) ان سے فرمایا کہ: ''یاد رکھو، اگر تم اس کو کچھ نہ دیتیں تو تمہارے نامہ اعمال میں ایک جھوٹ لکھا جاتا۔''

فائدہ

یہ واقعہ حضرت عبداللہ ابن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بچپن کا ہے، چنانچہ ان کی والدہ نے ان کو بلایا اور کوئی چیز دینے کا وعدہ کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمجھے کہ اپنے بچے کو محض بہلانے کے

لئے ادھر اُدھر کی باتیں کی جاتی ہیں، اس کو اس کی مطلوبہ چیز یا کچھ اور دینے کا جھوٹ موٹ وعدہ کیا جاتا ہے۔ یا اس کو ڈرانے دھمکانے کے لئے خوفناک چیزوں کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس موقع پر ان باتوں کا حقیقی مفہوم مراد نہیں ہوتا لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کو اس بارے میں آگاہ کرنے کے لئے مذکورہ سوال کیا۔

بچے کے ساتھ وعدہ کر کے پورا نہ کرنیکا نقصان

اور بچے کے ساتھ وعدہ خلافی کرنے میں دوہرا نقصان ہے، ایک نقصان تو وعدہ خلافی کے گناہ کا ہے، اور دوسرا نقصان یہ ہے کہ پہلے دن سے ہی بچے کے ذہن میں آپ یہ بات ڈال رہے ہیں کہ وعدہ کر کے مکر جانا کوئی خرابی کی بات نہیں، بچہ کا ذہن ایسا صاف ہوتا ہے جیسے سادہ پتھر، اس پر جو چیز نقش کر دی جائے تو ہمیشہ کے لئے وہ چیز نقش ہو جاتی ہے، گویا کہ پہلے دن سے آپ نے وعدہ خلافی کا بیج بچے کے ذہن میں بو دیا، اب اگر وہ بچہ آئندہ کبھی بھی وعدہ خلافی کرے گا تو اس وعدہ خلافیوں کے گناہ میں آپ بھی حصہ دار ہوں گے، اس لئے کہ آپ نے اپنے طرزِ عمل سے اس کو وعدہ خلاف بنایا، اس لئے بچے کے ساتھ خاص طور پر اس بات کا اہتمام کرنا چاہیے کہ یا تو بچہ سے وعدہ کرو نہیں،

اگر وعدہ کرو تو اس کو پورا کرو، تاکہ بچے کو یہ احساس ہو کہ جب کوئی وعدہ کیا جاتا ہے تو اس کو پورا کیا جاتا ہے۔

بچے کے اخلاق بگاڑنے میں مجرم آپ

ہمارے معاشرے میں اس معاملے کے اندر غفلت اور بے احتیاطی بہت عام ہے، کہ بچے کو تعلیم دلانے کے لئے اچھے سے اچھے اسکول میں داخل کر دیا، لیکن گھر کا ماحول ایسا بنایا ہوا ہے جس سے اس بچے کا مزاج و مذاق اس کے اخلاق و کردار خراب ہو رہے ہیں۔ مثلاً آپ گھر سے باہر کہیں جا رہے ہیں، اور بچہ ضد کر رہا ہے کہ میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گا، اب آپ نے اس بچے سے جان چھڑانے کی خاطر کوئی وعدہ کر لیا کہ میں تمہارے لئے ایک چیز لے کر آتا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ چلے گئے، آپ نے اس بچے کو بہلا تو دیا، لیکن جو وعدہ آپ نے اس بچے کے ساتھ کیا تھا، وہ پورا نہیں کیا تو ایک طرف تو آپ وعدہ خلافی کے مجرم بنے، دوسرے یہ کہ اس بچے کی تربیت خراب کرنے کے مجرم بنے، اس بچے کا ذہن پہلے دن سے آپ نے خراب کر دیا، لہٰذا بچے کے ساتھ معاملات کرنے میں بہت احتیاط کرنی چاہیے۔

بچوں کے ذریعے جھوٹ بلوانا ایک بڑا جرم

ہمارے معاشرے میں یہ بات بھی بکثرت عام ہے کہ ایک شخص

آپ کے گھر پر آپ سے ملنے کے لئے آیا، یا کسی کا فون آیا، اور بچے نے آکر آپ کو اطلاع دی کہ فلاں صاحب آپ سے ملنے کے لئے آئے ہیں، یا فلاں صاحب آپ سے فون پر بات کرنا چاہتے ہیں۔ اب آپ کا ان صاحب سے بات کرنے کو اور ملنے کو دل نہیں چاہ رہا ہے، اس لئے آپ نے بچے سے کہہ دیا کہ جاؤ ان سے کہہ دو کہ ابو گھر پر نہیں ہیں، اب بچہ تو یہ دیکھ رہا ہے کہ ابا جان گھر پر موجود ہیں، لیکن میرے ابا گھر پر موجود ہونے کے باوجود مجھ سے کہلوا رہے ہیں کہ جا کر جھوٹ بول دو کہ گھر پر موجود نہیں ہیں، تو آج جب آپ اس سے جھوٹ بلوائیں گے تو کل جب وہ جھوٹ بولے گا تو کس منہ سے آپ اس کو جھوٹ بولنے سے روکیں گے۔ اس لئے کہ آپ نے تو خود اس کو جھوٹ بولنے کا عادی بنا دیا، اپنے ذرا سے مفاد کی خاطر جھوٹ کی سنگینی اس بچے کے دماغ سے مٹا دی تو اب اگر وہ بچہ جھوٹ بولے گا، اور اس بچے کو جھوٹ کی عادت پڑ جائے گی تو اس گناہ میں آپ بھی برابر کے شریک ہوں گے، اور آپ نے اس بچے کی زندگی تباہ کر دی۔ اس لئے کہ جو آدمی جھوٹ بولنے کا عادی ہوتا ہے تو دنیا میں کہیں بھی اس پر اعتماد نہیں کیا جاتا، اس پر بھروسہ نہیں ہوتا، اس لئے بچوں کے ساتھ معاملات کرنے میں خاص طور پر بڑی احتیاط کی ضرورت ہے، بچوں کو سچائی سکھائی جائے، ان کو امانت داری سکھائی جائے، ان کو وعدے کی پابندی سکھائی جائے۔

ٹریفک کے قانون کی خلاف ورزی وعدہ خلافی ہے

مثلاً ٹریفک کا قانون ہے کہ دائیں طرف چلو، یا بائیں طرف چلو، یا یہ قانون ہے کہ جب سگنل کی لال بتی جلے تو رک جاؤ، اور جب سبز بتی جلے تو چل پڑو، اب ایک شہری ہونے کی حیثیت سے آپ نے اس بات کا وعدہ کیا ہے کہ ان قوانین کی پابندی کروں گا، لہٰذا اگر کوئی شخص ان قوانین کی پابندی نہ کرے، تو یہ وعدہ خلافی ہے، اور گناہ ہے، لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ٹریفک کے قانون کی خلاف ورزی کرلے تو اس میں گناہ کی کیا بات ہے؟ یہ تو بڑی اچھی بات ہے کہ آدمی اپنے کو بڑا سیانہ اور ہوشیار جتانے کے لئے خلاف ورزی بھی کر رہا ہے اور قانون کی گرفت میں بھی نہیں آرہا۔

ویزے کی مدت سے زیادہ قیام کرنا وعدہ خلافی ہے

اسی طرح جب آپ دوسرے کسی ملک میں ویزا لے کر جاتے ہیں تو گویا کہ آپ نے معاہدہ کیا ہے کہ ویزے کی جو مدت ہے اس مدت تک میں وہاں ٹھہروں گا، اس کے بعد واپس آجاؤں گا۔ اب اگر آپ مدت گزرنے کے بعد مزید وہاں قیام کر رہے ہیں تو معاہدے کی خلاف ورزی کر رہے ہیں، اور جتنے دن آپ وہاں قیام کر رہے ہیں وعدہ کی خلاف ورزی کا گناہ آپ پر لازم آرہا ہے۔

آج ہماری پاکستانی قوم ساری دنیا میں بدنام ہے، لوگ پاکستانی کا نام سن کر بدکتے ہیں، پاکستانی پاسپورٹ دیکھ کر شک میں پڑ جاتے ہیں کہ معلوم نہیں یہ کیا دھوکہ دے رہا ہوگا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ یہاں سے گئے، اور وہاں جا کر ان کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ ہمارے ویزے کی مدت ختم ہو چکی ہے، پھر ذلیل وخوار ہو کر نکالے جاتے ہیں، بعض اوقات جیلوں میں بند کر دیئے جاتے ہیں، تکلیفیں بھی اٹھاتے ہیں۔ اس طرح دنیا کا بھی خسارہ اور آخرت کا بھی خسارہ، دنیا کے اندر یہ ذلت حاصل ہو رہی ہے اور آخرت میں عہد شکنی کا گناہ ہو رہا ہے۔

ظالم حکومت کے قوانین کی پابندی بھی لازم ہے

بعض لوگ آج کل یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ آج کل ہمارے ملک میں جو حکومتیں ہیں وہ خود ظالم حکومتیں ہیں، رشوت خور ہیں، بدعنوان ہیں، مفاد پرست ہیں، اپنے مفاد کی خاطر پیسے لوٹ رہے ہیں، لہٰذا ایسی حکومت کے قوانین کی پابندی ہم کیوں کریں؟

خوب سمجھ لیجئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو ابوجہل سے کئے ہوئے معاہدے کا بھی احترام کیا، کیا ابوجہل سے زیادہ گمراہ کوئی ہوگا؟

یہ سب اللہ تعالیٰ کے دین کا حصہ ہے

یہ سب باتیں اس لئے ذکر کی جاتی ہیں کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان باتوں کا دین سے کیا تعلق ہے؟ یہ تو دنیاداری کی باتیں ہیں، ان کی پابندی کی کیا ضرورت ہے؟ خوب سمجھ لیجئے، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا دین ہے، جو ہماری زندگی کے ہر شعبے میں داخل ہے، اور دین داری صرف ایک شعبے کی حد تک محدود نہیں ہے خلاصہ یہ ہے کہ جو قانون کسی گناہ پر مجبور کرے، اس کی تو کسی حال میں بھی اطاعت جائز نہیں، اور جو قانون نا قابل برداشت ظلم کرے، اس کی بھی پابندی نہیں، لیکن اس کے علاوہ جتنے قوانین ہیں ان کی پابندی شرعاً بھی ہمارے ذمے واجب ہے، اگر ان کی پابندی نہیں کریں گے تو وعدہ خلافی کا گناہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی کے گناہ سے ہماری حفاظت فرمائے، دین پر مکمل طور پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

امانت کی اہمیت
اور
ہماری کوتاہیاں

افادات

پیرِ طریقت رہبرِ شریعت

حضرۃ مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تلمیذِ رشید

شیخ الاسلام حضرۃ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفۂ مجاز

مرشد الموحدین قطب الاقطاب حضرۃ مولانا حماد اللہ ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و تزئین

عاصم عبداللہ

کرملی دار الکتب کراچی
جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی 2 کراچی 75230
0333-2124384

سب سے بڑی خیانت

عَنْ سُفْیَانَ بْنِ اَسِیْدِ الْحَضْرَمِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ کَبُرَتْ خِیَانَۃً اَنْ تُحَدِّثَ اَخَاکَ حَدِیْثًا وَّھُوَ لَکَ بِہٖ مُصَدِّقٌ وَّاَنْتَ بِہٖ کَاذِبٌ. (رواہ ابو داؤد)

”سفیان بن اسید حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خود سنا ہے، آپ فرماتے تھے: یہ بہت ہی بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے کوئی بات جھوٹی بیان کرو، درانحالیکہ وہ تم کو اس بیان میں سچا سمجھتا ہو۔“

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمده علیٰ ما انعم وعلّمنا ما لم نعلم والصّلوٰة علیٰ افضل الرسل واکرم. وعلیٰ آلہٖ وصحبه وبارک وسلم. اما بعد!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ.
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ .
اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰیٓ اَھْلِھَا.
(سُوْرَۃ النساء پ ۵ ع ۵)

بیشک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ پہنچا دو امانتیں امانت والوں کو"۔

حضرتِ گرامی قدر! خطبہ میں، میں نے جو آیت کریمہ تلاوت کی ہے اس آیت کا شانِ نزول تفسیر کی کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ عرب لوگ زمانۂ جاہلیت میں بھی کعبہ کی خدمت کو اپنے لئے عزت اور فخر کی بات سمجھتے

تھے، اور انہوں نے کعبہ کی مختلف خدمتیں اپنے ذمہ لے رکھی تھیں۔

وہ بیت اللہ کی خدمت کو باعثِ شرف و کرم سمجھتے تھے، جس شخص کو کسی بھی شعبہ میں بیت اللہ کی خدمت کا شرف حاصل ہو جاتا تھا، اسے سوسائٹی میں اعلیٰ مقام دیا جاتا اور اسے بڑا معزز اور محترم انسان سمجھا جاتا تھا اور ہر قبیلے کے سربراہ کی یہ کوشش اور خواہش ہوتی تھی کہ اسے اللہ کے گھر کی خدمت کا موقع مل جائے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے چچا حضرت عباس نے سقایہ یعنی حاجیوں کو زمزم پلانے کی ڈیوٹی اپنے ذمہ لے رکھی تھی اور ابو طالب نے بھی بعض خدمات کے لئے اپنے آپ کو وقف کیا ہوا تھا۔ اسی طرح بیت اللہ کا کھولنا اور بند کرنا یہ عثمان بن طلحہ کے ذمے تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عثمان بن طلحہ کا رویہ

عثمان بن طلحہ کا اپنا بیان ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ہم پیر اور جمعرات کے روز بیت اللہ کو کھولا کرتے تھے، اور لوگ اس میں داخل ہونے کی سعادت حاصل کرتے تھے، ہجرت سے پہلے ایک روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنے کچھ صحابہ کے ساتھ بیت اللہ میں داخل ہونے کے لئے تشریف لائے (اس وقت تک عثمان بن طلحہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے) انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو

اندر جانے سے روکا، اور انتہائی ترشی دکھائی، آپ نے بڑی بردباری کے ساتھ ان کے سخت کلمات کو برداشت کیا، پھر فرمایا: اے عثمان! شاید تم ایک روز یہ بیت اللہ کی کنجی میرے ہاتھ میں دیکھو گے، جبکہ مجھے اختیار ہوگا کہ جس کو چاہوں سپرد کردوں۔ عثمان بن طلحہ نے کہا کہ اگر ایسا ہوگیا تو قریش ہلاک اور ذلیل ہو جائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، اس وقت قریش آباد اور عزت والے ہو جائیں گے، آپ یہ کہتے ہوئے کعبۃ اللہ کے اندر تشریف لے گئے۔ اس کے بعد جب میں نے اپنے دل کو ٹٹولا تو مجھے یقین سا ہوگیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے وہ ہو کر رہے گا میں نے اسی وقت مسلمان ہونے کا ارادہ کرلیا لیکن میں نے اپنی قوم کے تیور بدلے ہوئے پائے، وہ سب کے سب مجھے سخت ملامت کرنے لگے، اس لئے میں اپنے ارادہ کو پورا نہ کرسکا، جب مکہ فتح ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مجھے بلا کر بیت اللہ کی کنجی طلب فرمائی، میں نے پیش کردی۔

بعض روایات میں ہے کہ عثمان بن طلحہ کنجی لے کر بیت اللہ کے اوپر چڑھ گئے تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آپ کے حکم کی تعمیل کے لئے زبردستی کنجی ان کے ہاتھ سے لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو دیدی تھی۔ بیت اللہ میں داخل ہونے اور وہاں نماز ادا کرنے کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم باہر تشریف لائے تو پھر کنجی مجھ کو واپس

کرتے ہوئے فرمایا کہ لو اب یہ کنجی ہمیشہ تمہارے ہی خاندان کے پاس قیامت تک رہے گی۔ جو شخص تم سے یہ کنجی لے گا وہ ظالم ہوگا، مقصد یہ تھا کہ کسی دوسرے شخص کو اس کا حق نہیں کہ تم سے یہ کنجی لے لے۔ اسی کے ساتھ یہ ہدایت فرمائی کہ بیت اللہ کی اس خدمت کے صلہ میں تمہیں جو مال ملجائے اس کو شرعی قاعدہ کے موافق استعمال کرو۔

عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں کنجی لے کر خوشی خوشی چلنے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر مجھے آواز دی اور فرمایا: کیوں! عثمان جو بات میں نے کہی تھی وہ پوری ہوئی یا نہیں؟ اب مجھے وہ بات یاد آگئی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت سے پہلے فرمائی تھی کہ ایک روز تم یہ کنجی میرے ہاتھ میں دیکھو گے،، میں نے عرض کیا کہ بیشک آپ کا ارشاد پورا ہوا، اور اس وقت میں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا۔

حضرت فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس روز جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت اللہ سے باہر تشریف لائے تو یہ آیت آپ کی زبان پر تھی:

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلَىٰٓ أَهْلِهَا.

اس سے پہلے یہ آیت میں نے کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہ سنی تھی، ظاہر یہ ہے کہ یہ آیت اس وقت جوفِ کعبہ میں نازل ہوئی تھی،

اسی آیت کی تعمیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ عثمان بن طلحہ کو بلا کر کنجی ان کے سپرد کی۔ کیونکہ عثمان بن طلحہ نے جب یہ کنجی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی تھی تو یہ کہہ کر دی تھی کہ: ''میں یہ امانت آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سپرد کرتا ہوں' اگرچہ ضابطہ سے ان کا یہ کہنا صحیح نہ تھا، بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کو ہر طرح کا اختیار حاصل تھا کہ جو چاہیں کریں، لیکن قرآن کریم نے صورتِ امانت کی بھی رعایت فرمائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی ہدایت کی کہ کنجی عثمان ہی کو واپس فرمادیں، حالانکہ اس وقت حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ درخواست کی تھی کہ جس طرح بیت اللہ کی خدمت سقایہ اور سدانہ ہمارے پاس ہے یہ کنجی برداری بھی ہمیں عطا فرمادیجئے، مگر آیتِ مذکورہ کی ہدایت کے موافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی درخواست رَدّ کر کے کنجی عثمان بن طلحہ کو واپس فرمائی۔

صاحبِ حق کو اس کا حق بے کم وکاست پورا پورا دینا ہے، امانت ہے، امانت شریعت کا اہم حکم ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بغیر ایمان کو نامکمل فرمایا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

''حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ بہت کم

ایسا ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ہمارے سامنے کوئی خطبہ پڑھا ہو (کوئی تقریر کی ہو) اور اس میں نہ فرمایا ہو کہ جو شخص امین و دیانتدار نہ ہو اس کا ایمان کامل نہیں ہے اور جو شخص عہد کا پابند نہ ہو اس کا دین کامل نہیں ہے۔"

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں، اور مسلم کی روایت میں ان الفاظ کے بعد یہ لفظ ہیں کہ: اگرچہ روزہ رکھتا ہو، نماز پڑھتا ہو اور اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہو (اور اس میں ان علامتوں میں سے کوئی علامت پائی جائے تب بھی وہ منافق ہی ہے) اس کے بعد بخاری اور مسلم دونوں کے متفقہ الفاظ یہ ہیں: بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو خلاف وعدہ کرے، کوئی امانت اس کے پاس رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔"

امانت کے مفہوم کی وسعت

اگرچہ اس آیت کا شانِ نزول تو یہی واقعہ ہے لیکن اس آیت کا مفہوم بہت وسیع ہے کیونکہ کوئی آیت بھی اپنے شانِ نزول کے ساتھ خاص

نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو قرآن حکیم کے بہت سارے احکام اور اوامر و نواہی پر عمل کرنے سے ہم محروم ہو جاتے، کیونکہ ہر حکم اور ہر امر و نہی کا کوئی نہ کوئی شانِ نزول تو ضرور ہے۔

عام طور پر لوگوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ امانت صرف یہ ہے کہ کسی کے پاس کچھ سامان یا روپیہ پیسہ حفاظت کی خاطر رکھوا دیا جائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم صرف اسی بات کو امانت کہیں تو یہ امانت کے مفہوم کے ساتھ بہت بڑی خیانت ہوگی۔

آپ اس بات پر بھی غور فرمائیں کہ قرآن نے واحد کا صیغہ یعنی ''امانۃ'' استعمال نہیں کیا، بلکہ جمع کا صیغہ یعنی ''امانات'' استعمال کیا ہے۔ اس لفظ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ امانتیں کئی قسم کی ہیں اور صرف وہ چیز امانت نہیں ہے جسے ہم نے امانت سمجھ رکھا ہے۔ بلکہ ہر وہ چیز امانت ہے جس کے ساتھ کسی کا حق متعلق ہو اور جس کی حفاظت اور مالک کی طرف ادائیگی انسان پر لازم ہو۔

امانت داری کو شعار بنائیں

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ قُرَادٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ یَوْمًا فَجَعَلَ اَصْحَابُہٗ یَتَمَسَّحُوْنَ بِوَضُوْئِہٖ فَقَالَ لَھُمُ النَّبِیُّ صَلَّی

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ مَا یَحْمِلُکُمْ عَلٰی ھٰذَا قَالُوْا

حُبُّ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یُّحِبَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اَوْیُحِبُّہُ اللّٰہُ

وَرَسُوْلُہٗ فَلْیَصْدُقْ حَدِیْثَہٗ اِذَا حَدَّثَ وَلْیُؤَدِّ اَمَانَتَہٗ اِذَا

ائْتُمِنَ وَلْیُحْسِنْ جِوَارَمَنْ جَاوَرَہٗ.

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

''عبدالرحمٰن بن ابی قراد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ایک دن وضو کیا، تو آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وضو کا پانی لے لے کر (اپنے چہروں اور جسموں پر) ملنے لگے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم کو کیا چیز اس فعل پر آمادہ کرتی ہے، اور کون سا جذبہ تم سے یہ کام کراتا ہے؟'' انہوں نے عرض کیا کہ: اللہ اور اس کے رسول ؐ کی محبت''۔ ان کا یہ جواب سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو یہ خوشی ہو، اور وہ یہ چاہے کہ اس کو اللہ اور رسول سے حقیقی محبت ہو، یا یہ کہ اللہ اور رسول اس سے محبت کریں تو اسے چاہئے کہ جب وہ بات کرے تو ہمیشہ سچ بولے اور جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو ادنیٰ خیانت

کے بغیر اس کو ادا کرے اور جس کے پڑوس میں اس کا
رہنا ہو، اس کے ساتھ بہتر سلوک کرے۔"

فائدہ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ و رسول کی محبت اور ان کے ساتھ سچے تعلق کا اولین تقاضا یہ ہے کہ آدمی ہمیشہ سچ بولے، امانت داری کو شعار بنائے اور جھوٹ اور خیانت سے کامل پرہیز کرے، اگر یہ نہیں تو محبت کا دعویٰ ایک بے جا جسارت اور ایک طرح کا نفاق ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جنت کی ضمانت

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رضی اللہ عنہ اَنَّ
النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ
اِضْمَنُوْا لِیْ سِتًّا مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَضْمَنْ لَکُمُ
الْجَنَّةَ اُصْدُقُوْا اِذَا حَدَّثْتُمْ وَاَوْفُوْا اِذَا
وَعَدْتُّمْ وَاَدُّوْا اِذَا اُئْتُمِنْتُمْ وَاحْفَظُوْا
فُرُوْجَکُمْ وَغُضُّوْا اَبْصَارَکُمْ
وَکُفُّوْا اَیْدِیَکُمْ.

(رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

"حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم چھ باتوں کے ضامن ہو جاؤ اور ان کی ذمہ داری لے لو تو میں تمہارے لے جنت کی ذمہ داری لیتا ہوں (وہ چھ باتیں یہ ہیں) جب بات کرو تو ہمیشہ سچ بولو، جب کسی سے وعدہ کرو تو اس کو پورا کرو، جب کوئی امانت تم کو سپرد کی جائے تو اس کو ٹھیک ٹھیک ادا کرو، اور حرام کاری سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو، اور جن چیزوں کی طرف نظر کرنے سے منع فرمایا گیا ہے ان کی طرف سے آنکھیں بند کرو، یعنی کوشش کرو کہ ان پر نظر نہ پڑے، اور جن موقعوں پر ہاتھ روکنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں ہاتھ روکو (یعنی ناحق کسی کو نہ مارو نہ ستاؤ، نہ کسی کی کوئی چیز چھیننے کے لئے ہاتھ بڑھاؤ وغیرہ وغیرہ)۔"

فائدہ

مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایمان لے آیا ہے اور فرائض وارکان ادا کرتا ہے اور مذکورۂ بالا چھ بنیادی اخلاق (صدق وامانت وغیرہ) کا بھی اپنے کو پابند بنالیتا ہے تو پھر یقیناً وہ جنتی ہے اور اس کے لئے اللہ ورسول کی طرف سے جنت کی ضمانت اور بشارت ہے۔

تجارت میں صدق وامانت

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ بن الخدری رضی اللّٰہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ التَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ.

(رواہ الترمذی و الدارمی والدارقطنی)

''حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے فرمایا: سچا اور امانت دار سوداگر (قیامت کے دن)، انبیاء، صدّیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔''

فائدہ

اس حدیث نے واضح طور پر یہ بھی بتایا کہ قرب خداوندی کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات حاصل کرنے کے لئے بھی دنیا اور مشاغل دنیا چھوڑنا ضروری نہیں، بلکہ ایک سوداگر بازار میں بیٹھ کر اللہ ورسول صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے احکام کی فرمانبرداری اور صدق وامانت جیسے دینی قوانین کی پابندی کے ذریعہ آخرت میں حضرات انبیاء اور صدیقین وشہداء کی معیت اور رفاقت تک حاصل کرسکتا ہے۔

نیز ایک حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلتُّجَّارُ یُحْشَرُوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فُجَّارًا اِلَّا مَنِ اتَّقٰی وَبَرَّ وَصَدَقَ.

(رواہ الترمذی عن عبید بن رفاعۃ)

''تاجر لوگ قیامت کے دن بدکار اٹھائے جائیں گے، (یعنی عام تاجروں کا حشر بدکاروں کا سا ہوگا) سوائے ان (خداترس اور خداپرست) تاجروں کے، جنہوں نے اپنی تجارت میں تقویٰ، نیکی اور حسن سلوک اور سچائی کو برتا ہوگا۔''

جھوٹ اور خیانت ایمان کے منافی ہیں

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ یُطْبَعُ الْمُؤْمِنُ عَلَی الْخِلَالِ کُلِّھَا اِلَّا الْخِیَانَةَ وَالْکِذْبَ.

(رواہ احمد و البیہقی فی شعب الایمان)

''حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ: مومن کی طبیعت اور فطرت میں ہر خصلت کی گنجائش ہے، سوائے خیانت اور جھوٹ کے۔''

فائدہ

مطلب یہ ہے کہ مومن اگر واقعی مومن ہو، تو جھوٹ اور خیانت کی اس کی فطرت میں گنجائش نہیں ہوسکتی، دوسری برائیاں اور کمزوریاں اس میں ہوسکتی ہیں لیکن خیانت اور جھوٹ جیسی خالص منافقانہ عادتیں ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتیں، پس اگر کسی میں یہ بری عادتیں موجود ہوں، تو اسے سمجھنا چاہئے کہ اس کو ایمان کی حقیقت ابھی نصیب نہیں ہوئی ہے، اور اگر اپنی اس محرومی پر وہ مطمئن نہیں رہنا چاہتا ہے تو اس کو ان خلاف ایمان عادتوں سے اپنی زندگی کو پاک کرنا چاہئے۔

جھوٹ کی گندگی اور بدبو

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اِذَا کَذِبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْہُ الْمَلَکُ مِیْلاً مِنْ نَتْنِ مَاجَاءَ بِہٖ.

(رواہ الترمذی)

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس کے جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے ایک میل دور چلا جاتا ہے۔“

فائدہ

جس طرح اس مادی عالم کی مادی چیزوں میں خوشبو اور بدبو ہوتی ہے، اسی طرح اچھے اور برے اعمال اور کلمات میں بھی خوشبو اور بدبو ہوتی ہے، جس کو اللہ کے فرشتے اسی طرح محسوس کرتے ہیں جس طرح ہم یہاں کی مادی چیزوں کی خوشبو اور بدبو کو محسوس کرتے ہیں، اور کبھی کبھی وہ اللہ کے بندے بھی اس کو محسوس کرتے ہیں جن کی روحانیت ان کی مادیت پر غالب آجاتی ہے۔

دوسرے کی چیز کا استعمال بھی خیانت ہے

ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر دوسرے کی چیز ہمارے استعمال میں ہے تو اس چیز کو مالک کی مرضی کے خلاف استعمال کرنا بھی امانت میں خیانت ہے، مالک نے جس کام کے لئے دی، اس کام میں استعمال کرنا تو جائز ہے، کیونکہ اس کی مرضی اس میں شامل ہے، لیکن اس کی مرضی کے خلاف چوری چھپے استعمال کیا جائے گا تو یہ امانت میں خیانت ہوگی، اور بڑا گناہ ہے، مثلاً کسی نے آپ کو کسی خاص مقصد کے استعمال کے لئے گاڑی دیدی تو اب خاص مقصد میں استعمال کرنا تو جائز ہے، لیکن اس خاص مقصد کے علاوہ دوسرے کسی کام میں استعمال کر لی تو ناجائز، حرام اور امانت میں خیانت ہے۔

سب سے بڑی خیانت

عَنْ سُفْيَانَ بْنِ اَسِيْدِ الْحَضْرَمِيِّ رضی الله عنهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ كَبُرَتْ خِيَانَةً اَنْ تُحَدِّثَ اَخَاكَ حَدِيْثًا وَهُوَ لَكَ بِهٖ مُصَدِّقٌ وَاَنْتَ بِهٖ كَاذِبٌ. (رواہ ابو داؤد)

''سفیان بن اسید حضرمیؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خود سنا ہے، آپ فرماتے تھے: یہ بہت ہی بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے کوئی بات جھوٹی بیان کرو، درانحالیکہ وہ تم کو اس بیان میں سچا سمجھتا ہو۔''

فائدہ

مطلب یہ ہے کہ جھوٹ اگر چہ بہر حال گناہ ہے اور بہت سنگین گناہ ہے لیکن بعض خاص صورت میں اس کی یہ سنگینی اور بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے، ان ہی صورتوں میں سے ایک صورت یہ بھی ہے کہ ایک شخص تم پر پورا بھروسہ اور اعتبار کرے اور تم کو بالکل سچا سمجھے اور تم اس کے اعتبار اور حسن ظن سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اس سے جھوٹ بولو، اور اس کو دھوکہ دو۔

حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی امانت داری

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نبوت سے پہلے بھی پورے مکہ میں ''صادق'' اور ''امین'' کے لقب سے مشہور تھے، یعنی آپ سچے تھے، آپ کی زبان پر کبھی جھوٹ نہیں آتا تھا، آپ امانت دار تھے، جو لوگ آپ کے پاس امانت رکھواتے تھے ان کو پورا بھروسہ ہوتا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس امانت کا حق ادا کریں گے۔ چنانچہ جب آپ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما رہے تھے، اس وقت یہ عالم تھا کہ کفار نے ظلم وستم کے پہاڑ توڑے ہوئے تھے، آپ کے خلاف قتل کے منصوبے بنائے جارہے تھے، اس حالت میں رات کے وقت آپ کو اپنے شہر مکہ مکرمہ سے نکلنا پڑا۔ اس وقت بھی آپ کو یہ فکر تھی کہ میرے پاس لوگوں کی جو امانتیں رکھی ہوئی ہیں، ان کو اگر پہنچاؤں گا تو یہ راز کھل جائے گا کہ میں یہاں سے جارہا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساری امانتیں سپرد فرمائیں، اور ان کو اپنے بستر پر لٹایا، اور ان سے فرمایا کہ میں جارہا ہوں، تم یہ امانتیں ان کے مالکوں تک پہنچاؤ، اور جب اس کام سے فارغ ہوجاؤ تو پھر ہجرت کر کے مدینہ منورہ آجانا، اور وہ امانتیں صرف مسلمانوں کی نہیں تھیں، بلکہ کافروں کی بھی تھیں، وہ کافر جو آپ کے خون کے پیاسے تھے، جو آپ کے ساتھ دشمنی کا معاملہ کررہے تھے، ان کی امانتوں کو بھی ان تک واپس پہنچانے کا انتظام فرمایا۔

غزوہ خیبر میں امانت کی پاسداری

غزوہ خیبر کے موقع پر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے خیبر کے قلعوں کا محاصرہ کیا ہوا تھا، خیبر میں یہودی آباد تھے، اوران کی خصلت شروع ہی سے سازشی ہے، مسلمانوں کے خلاف سازشوں کے جال بنتے رہتے تھے، اور خیبر ان کی سازشوں کا مرکز بنا ہوا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کی سازشوں سے امت مسلمہ کو بچانے کے لئے خیبر شہر کا محاصرہ کیا۔ یہ شہر کئی قلعوں پر مشتمل تھا، یہودی اس محاصرے کے دوران شہر کے اندر بند تھے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی فوجوں نے اس کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔

اسود چرواہا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

جب محاصرے کو چند دن گزر گئے تو ایک چرواہا جس کا نام روایتوں میں "اسود" آتا ہے۔ جو لوگوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا، وہ بکریوں کو چَرانے کی خاطر قلعے سے باہر نکلا، باہر نکل کر اس نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا لشکر محاصرہ کئے ہوئے ہے، اس چرواہے کے دل میں خیال آیا کہ میں جا کر دیکھوں کہ یہ کون لوگ ہیں؟ اور کیا ان کا پیغام ہے؟ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ ان کی دعوت کیا ہے؟ چنانچہ وہ اپنی بکریوں کو چراتے ہوئے لشکر کے قریب آ گیا، اور لشکر

والوں سے پوچھنے لگا کہ آپ کا بادشاہ کہاں ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جواب دیا کہ ہمارے یہاں بادشاہ تو کوئی نہیں ہے، البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور ان کی قیادت میں ہم لوگ یہاں آئے ہیں، وہ ہمارے قائد ہیں۔ اس چرواہے نے کہا کہ کیا میں ان کو دیکھ سکتا ہوں؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا کیوں نہیں دیکھ سکتے؟ چرواہے نے پوچھا کہ ان کا محل کہاں ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا کہ ان کا کوئی محل نہیں ہے، وہ سامنے کھجور کے پتوں کا چھپر ہے، اس کے اندر وہ تشریف فرما ہیں، جاؤ اور جاکر ان سے مل لو۔ اس چرواہے نے کہا کہ میں جاکر بادشاہ سے مل لوں؟ میں تو ایک غلام آدمی ہوں، سیاہ فام ہوں، میری رنگت کالی ہے، بکریاں چراتا ہوں، میں کسی بادشاہ سے کیسے مل سکتا ہوں؟ صحابہ کرامؓ نے جواب دیا کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو کسی سے ملنے میں کوئی عار نہیں ہے چاہے وہ کیسا بھی آدمی ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے اسود چرواہے کا مکالمہ

وہ چرواہا حیرت کے عالم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے خیمے میں پہنچ گیا، اور اندر جاکر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم جلوہ جہاں آرا کی زیارت کی سعادت حاصل کی، اس چرواہے نے حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کیوں آئے ہیں؟ آپ کی دعوت کیا ہے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے توحید کا پیغام لیکر آیا ہوں کہ اس کائنات میں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس لئے صرف اللہ کی عبادت کی جائے، یہی میری بنیادی دعوت ہے، اس چرواہے نے کہا کہ اگر میں اس دعوت کو قبول کرلوں اور اللہ کے سوا ہر معبود کا انکار کردوں تو میرا انجام کیا ہوگا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مرنے کے بعد ایک دوسری زندگی آنے والی ہے اور یہ موجودہ زندگی تو عارضی ہے، ناپائیدار ہے، ہر ایک کو اس دنیا سے جانا ہے، اور مرنے کے بعد جو زندگی ملے گی وہ دائمی اور ابدی ہوگی، اور اس کی کوئی انتہا نہیں، اس ابدی زندگی میں اللہ تعالیٰ تمہیں بہت اعلیٰ مقام عطا فرمائیں گے۔

اور چرواہا اسود مسلمان ہوگیا

پھر چرواہے نے سوال کیا کہ اچھا اگر میں مسلمان ہوگیا تو یہ مسلمان مجھے کیا سمجھیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ تمہیں اپنا بھائی سمجھیں گے، اور تمہیں اپنے سینے سے لگائیں گے، اس چرواہے نے حیرت سے پوچھا کہ مجھے سینے سے لگائیں گے؟ جبکہ میں سیاہ فام آدمی

ہوں، اور میرے سینے سے بدبو اٹھ رہی ہے، اس حالت میں کوئی مالدار آدمی مجھے سینے سے لگانے کے لئے تیار نہیں ہے، آپ فرمارہے ہیں کہ یہ مسلمان مجھے گلے لگائیں گے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اگر تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان لے آتے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہاری بدبو کو خوشبو میں تبدیل کر دیں گے اور تمہارے چہرے کی سیاہی کو تابناکی میں تبدیل کر دیں گے، اس اللہ کے بندے کے دل پر اتنا اثر ہوا کہ اس نے کلمہ پڑھا:

اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمد رسول الله.

اور ایمان لے آیا۔

پہلے بکریاں مالکوں تک پہنچاؤ

ایمان لانے کے بعد اسود نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے عرض کیا کہ میں ایمان لے آیا ہوں اور اب آپ کے ہاتھ میں ہوں، جو آپ حکم دیں گے اس کو بجالاؤں گا۔ لہٰذا اب آپ مجھے بتائیں کہ میں کیا کروں؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ پہلا کام یہ کرو کہ یہ بکریاں جو تم لیکر آئے ہو، یہ تمہارے پاس ان کے مالکوں کی امانت ہیں، تم اس معاہدے کے تحت یہ بکریاں لائے ہو کہ تم ان کو چراؤ گے، اور چرانے

کے بعد ان کو واپس کرو گے، لہٰذا پہلا کام یہ کرو کہ ان بکریوں کو واپس لے جاؤ، اور خیبر کے اندر لے جا کر ان کے مالکوں تک پہنچا آؤ۔

سخت حالات میں امانت کی پاسداری

ذرا اندازہ لگایئے کہ حالتِ جنگ ہے، اور دشمن کے قلعے کا محاصرہ کیا ہوا ہے، اور جنگ کی حالت میں نہ صرف یہ کہ دشمن کی جان لینا جائز ہو جاتا ہے، بلکہ جنگ کی حالت میں اس کے مال پر بھی قبضہ کر لینا جائز ہو جاتا ہے، ساری دنیا کا یہی قانون ہے اور اس وقت مسلمانوں کے پاس کھانے کی کمی تھی، اور کھانے کی کمی کا یہ عالم تھا کہ اس غزوہ خیبر کے موقع پر بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مجبور ہو کر گدھے ذبح کر کے ان کا گوشت پکا کر کھانے کی کوشش کی، بعد میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے منع فرمایا کہ گدھے کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے، چنانچہ گدھے کے گوشت کی پکی ہوئی دیگیں الٹ دی گئیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کس حالت میں تھے، لیکن چونکہ وہ چرواہا ایک معاہدے کے تحت وہ بکریاں لے کر آیا تھا، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے وہ بکریاں واپس کرو، اس کے بعد میرے پاس آنا۔

تلوار کے سائے میں جہاد کی عبادت

چنانچہ وہ چرواہا قلعے کے اندر گیا اور قلعے کے اندر بکریاں چھوڑیں، اور پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ یارسول اللہ اب کیا کروں؟ اب صورتِ حال یہ تھی کہ نہ تو اس وقت کسی نماز کا وقت تھا کہ آپ اس کو نماز کا حکم دیتے، نہ رمضان کا مہینہ تھا کہ آپ اس کو روزے کا حکم دیتے اور نہ وہ اتنا مالدار تھا کہ اس کو زکوٰۃ کا حکم دیتے، نہ حج کا موسم تھا کہ اس سے حج کرایا جاتا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت تو ایک عبادت ہو رہی ہے، جو تلواروں کے سائے میں انجام دی جارہی ہے وہ ہے جہاد فی سبیل اللہ۔ لہٰذا تم اس جہاد میں شامل ہوجاؤ اس چرواہے نے کہا کہ اگر میں اس جہاد میں شامل ہوگیا تو اس میں امکان یہ بھی ہے کہ میں مرجاؤں۔ اگر میں مرگیا تو میرا کیا ہوگا؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم شہید ہوگئے تو اللہ تعالیٰ تمہارے چہرے کی سیاہی کو سفیدی میں تبدیل فرمادیں گے اور تمہارے بدن کی بدبو کو خوشبو سے تبدیل کردیں گے، چنانچہ وہ اللہ کا بندہ جہاد میں شامل ہوگیا، اور مسلمانوں کی طرف سے لڑا، اور شہید ہوگیا۔

کالا سیاہ چرواہا غلام جنت الفردوس میں پہنچ گیا

جب غزوہ خیبر ختم ہوا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میدانِ جنگ کا جائزہ لینے کے لئے باہر نکلے ہوئے تھے، ایک جگہ دیکھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہجوم ہے، آپ قریب پہنچے اور پوچھا کیا بات ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ جو لوگ اس جہاد میں شہید ہوئے ہیں، ان میں ہمیں ایک لاش نظر آرہی ہے جسے ہم نے پہلے کبھی نہیں دیکھا، اس آدمی سے ہم لوگ واقف نہیں ہیں۔ اس لئے سب آپس میں رائے زنی کر رہے ہیں کہ یہ کون آدمی ہے؟ اور کس طرح شہید ہوا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے دکھاؤ، آپ نے دیکھا تو یہ وہی اسود چرواہا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم اس کو نہیں پہچانتے، لیکن میں اس کو پہچانتا ہوں۔ یہ وہ شخص ہے جس نے اپنی زندگی میں اللہ کے واسطے ایک سجدہ بھی نہیں کیا، اور جس نے اپنی زندگی میں اللہ کے واسطے ایک پیسہ خرچ نہیں کیا، لیکن میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو سیدھا جنت الفردوس میں پہنچا دیا ہے، اور میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے جسم کی سیاہی کو سفیدی میں تبدیل فرما دیا ہے، اور اس کے جسم کی بدبو کو مشک وعنبر سے زیادہ حسین خوشبو سے تبدیل کر دیا ہے۔

مذکورہ واقعہ سے امانت کی اہمیت کا اندازہ لگائیں

اب دیکھئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے عین حالتِ جنگ میں جہاں میدانِ کارزار کھلا ہوا ہے، جہاں لوگ ایک دوسرے کے خلاف جانیں لینے کے لئے تیار ہیں، وہاں پر بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس بات کو گوارا نہیں فرایا کہ یہ چرواہا امانت میں خیانت کرے، اور مسلمان ان بکریوں پر قبضہ کرلیں۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان بکریوں کو واپس فرمایا نے کا حکم دیا، یہ ہے امانت کی اہمیت اور اس کی پاسداری، جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک عمل سے ثابت کیا، لہٰذا امانت میں خیانت کرنا یہ مؤمن کا کام نہیں۔

اسی لئے حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ جب وہ کسی شخص میں پائی جائیں تو وہ پکا منافق ہے، ایک یہ کہ جب بات کرے تو جھوٹ بولے، اور جب وعدہ کرے تو اس وعدے کی خلاف ورزی کرے، اور جب اس کے پاس کوئی چیز امانت رکھوائی جائے تو وہ اس میں خیانت کرے، یہ تین اوصاف جس انسان میں پائے جائیں گے تو وہ مؤمن نہیں کہلائے گا، بلکہ منافق ہے۔

امانت کا مفہوم بہت وسیع ہے

عام طور سے لوگ امانت کا جو مطلب سمجھتے ہیں، وہ یہ ہے کہ کسی شخص

نے اپنے کچھ پیسے یا اپنی کوئی چیز ہمارے پاس لاکر رکھوادی، اور ہم نے اس کو حفاظت سے رکھ دی، اور اس چیز کو خود استعمال نہیں کیا، اور کوئی گڑبڑ نہیں کی، خیانت نہیں کی، بس امانت کا یہی مفہوم سمجھتے ہیں، بے شک امانت کا ایک پہلو یہ بھی ہے، لیکن قرآن و حدیث میں جہاں امانت کا لفظ آیا ہے اس کا معنی اور اس کا مفہوم اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے، بہت ساری چیزیں اس کے اندر آجاتی ہیں۔

ہماری زندگی اور اعضاء امانت ہیں

سب سے پہلی چیز جو امانت کے اندر داخل ہے، وہ ہماری "زندگی" ہے، یہ ہماری زندگی جو ہمارے پاس ہے، اسی طرح ہمارا پورا جسم سر سے لیکر پاؤں تک یہ امانت ہے، ہم اس جسم کے مالک نہیں، اللہ جل شانہ نے یہ جسم جو ہمیں عطا فرمایا ہے، اور یہ اعضاء جو ہمیں عطا فرمائے ہیں، یہ آنکھیں جس سے ہم دیکھتے ہیں، یہ کان جس سے ہم سنتے ہیں، یہ ناک جس سے ہم سونگھتے ہیں، یہ منہ جس سے ہم کھاتے ہیں، یہ زبان جس سے ہم بولتے ہیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں، بتاؤ کیا تم یہ اعضاء کہیں بازار سے خرید کر لائے تھے؟ بلکہ اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی معاوضے کے اور بغیر کسی محنت اور مشقت کے پیدا ہونے کے وقت سے ہمیں دیدیے ہیں اور ہمیں یہ فرمادیا کہ ان اعضاء سے اور ان قوتوں سے لطف اٹھاؤ، ان اعضاء کو

استعمال کرنے کی تمہیں کھلی اجازت ہے، البتہ ان اعضاء کو ہماری معصیت اور گناہ میں مت استعمال کرنا۔

قیامت کے دن زندگی اور اعضاء سے متعلق سوال ہوگا

ہر شخص کے پاس اس کی زندگی امانت ہے، اس کی عقل اور علمی صلاحیتیں امانت ہیں، اس کے اعضاء ہاتھ پاؤں، کان، آنکھ، دل و دماغ امانت ہیں، اوران کے بارے میں قیامت کے دن سوال بھی ہوگا۔

اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلاً۔

(سورۃ بنی اسرائیل پ ۱۵ ع ۴)

"کان اور آنکھ اور دل ہر شخص سے ان سب کی پوچھ ہوگی"۔

کانوں سے کیا سنا، قرآن یا فحش میوزک اور موسیقی؟

آنکھوں سے کیا دیکھا، آیاتِ الٰہی کا مشاہدہ کیا یا غیر محرموں کے حسن کے نظارے کرتا رہا۔

عقل و دماغ سے کیا کیا منصوبے باندھتا رہا شیطانی یا رحمانی۔

پاؤں سے چل کر کہاں گئے تھے، مسجد میں یا میخانے میں، میدانِ جہاد میں یا بت خانے میں؟

ہاتھوں کو کہاں استعمال کیا کسی غریب پر ظلم ڈھایا یا کسی مظلوم کی دادرسی کی؟ جوانی کیسے گذاری، کہاں گذاری، رب کی اطاعت میں یا بغاوت میں؟ ہاں تو یہ سب کچھ امانت ہے۔

خودکشی کیوں حرام ہے؟

چونکہ یہ زندگی یہ جسم اور یہ اعضاء امانت ہیں، اسی وجہ سے انسان کے لئے خودکشی کرنا حرام ہے، اور اپنے آپ کو قتل کو دینا حرام ہے، کیوں حرام ہے؟ اس لئے کہ یہ جان اور یہ جسم ہماری اپنی ملکیت ہوتا تو ہم جو چاہتے کرتے، چاہے اس کو تباہ کرتے یا برباد کرتے یا آگ میں جلادیتے، لیکن چونکہ یہ جان اور یہ جسم اللہ کی امانت ہے، اس لئے یہ امانت اللہ کے سپرد کرنی ہے، لہٰذا جب اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے پاس بلائیں گے، اس وقت ہم جائیں گے، پہلے سے خودکشی کرکے اپنی جان کو ختم کرنا امانت میں خیانت ہے۔

اسی لئے انسان کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالے نہ اُسے یہ اختیار ہے کہ وہ اپنے آپ کو زخمی کرے یا اپنے اعضاء کو کاٹے بلکہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا خودکشی ہے اور خودکشی کرنا اسلام کی نظر میں ناقابل معافی جرم ہے۔

خودکشی کرنے والے کی سزا

خودکشی کرنے والے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ

والہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنی جان کو ہلاک کیا قیامت میں اس کو بھی
عذاب دیا جائے گا کہ جس طرح اپنی جان کو ہلاک کیا اسی طرح دوزخ
میں اپنی جان کو ہلاک کرتا رہے گا جس نے اپنے آپ کو پہاڑ سے گرایا
وہ پہاڑ سے گرایا جاتا رہے گا اور جس نے زہر پیا وہ زہر پلایا جاتا رہے
گا اور جس نے اپنے آپ کو چھری سے قتل کیا وہ چھری سے ذبح ہوتا
رہے گا، قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا:

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ.

جہاد اور خودکشی کا فرق

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق انسان اپنی
جان قربان کر دے، اپنا خون بہا دے، اپنے اعضاء کٹوا لے تو اس پر اللہ
تعالیٰ فخر کرتا ہے اور اس کی غیرت یہ بھی گوارا نہیں کرتی کہ ایسے شخص کو
مردہ کہا جائے۔ قرآن حکیم میں ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
.. بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ.

لیکن اگر کوئی شخص خودکشی کر لے یا اپنے اعضاء کو کاٹ لے تو بہت
بڑا جرم بن جاتا ہے، حالانکہ اس نے کسی کو تو کچھ نہیں کہا، کسی کو زخمی نہیں کیا،
کسی پر ہتھیار نہیں اٹھایا، کسی کو ہلاک نہیں کیا۔ اس نے تو اپنے آپ ہی کو

دُکھ دیا ہے اپنے اوپر ہاتھ اٹھایا ہے، پھر یہ جرم کیوں ہے؟ اور جہاد میں جان دے دینا جرم کیوں نہیں، آخران دونوں میں فرق کیا ہے؟ اور جہاد میں جان دے دینا جرم کیوں نہیں، آخران دونوں میں فرق کیا ہے۔ بات یہ ہے کہ جان اور زندگی جسم اور اعضاء یہ سب اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں۔ اسی امانت کو اگر دینے والے کے حکم کے مطابق استعمال کرے گا تو عظیم عبادت ہوگی، بے مثال اجر وثواب ہوگا۔ لیکن اگر اس امانت میں خیانت کرے گا اور اسے ایسی جگہ استعمال کرے گا جہاں استعمال کرنے کی اجازت نہیں تو یہ حکم عدولی ہوگی، گناہ ہوگا، جرم ہوگا۔

جہاد میں جان لڑانے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے لہٰذا وہاں جان کو ہلاکت کے لئے پیش کرنا اجر وثواب کا ذریعہ ہے، مقام اور مرتبہ کا سبب ہے۔ لیکن خودکشی اور خود اذیتی کی صورت میں اپنے آپ کو نقصان پہنچانے سے جان کے مالک حقیقی نے منع فرمایا ہے لہٰذا ایسا کرنا جرم عظیم اور گناہ کبیرہ ہے۔

اجازت کے باوجود قتل کی اجازت نہیں

یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے سے یہ کہہ دے کہ میں تمہیں اجازت دیتا ہوں، کہ تم مجھے قتل کردو، یا میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ میرا ہاتھ کاٹ لو، میرا پاؤں کاٹ لو، کوئی شخص چاہے کتنی ہی اجازت دیدے،

اور اسٹامپ پیپر پر لکھ دے کہ میں اس سے کوئی مطالبہ نہیں کروں گا۔ لیکن دوسرے شخص کے لئے اس کی اس پیش کش کو قبول کرنا جائز نہیں، بلکہ حرام ہے، البتہ اگر کوئی شخص دوسرے سے کہے یہ میرے پیسے ہیں تم لے لو، اور تم ان پیسوں کو جو چاہو کرو، تو دوسرے شخص کو یہ حق حاصل ہو جائے گا کہ وہ پیسے لے لے اور جو چاہے کرے، لیکن جان لینے اور اعضاء کاٹنے کا حق حاصل نہیں ہوگا، اس سے پتہ چلا کہ یہ جسم اور جان ہمارے پاس اللہ تبارک وتعالیٰ کی امانت ہیں، اور جب امانت ہیں تو اس کو اس کام میں استعمال کرنا ہے جس کی مالک اجازت دے، اور اس کام سے ان کو بچانا ہے جس سے مالک ناراض ہو، اور جو مالک کو ناپسند ہو۔

ہمارے اوقات بھی امانت ہیں

اسی طرح زندگی کے یہ لمحات جو گزر رہے ہیں، اس کا ایک ایک لمحہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، ان لمحات کو ایسے کام میں صرف کرنا ہے جو دنیا کے لحاظ سے یا آخرت کے لحاظ سے فائدہ مند ہو، اور جو کام اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق ہو، اگر ان لمحات کو اس کے خلاف کاموں میں خرچ کریں گے تو یہ امانت میں خیانت ہو جائے گی۔

ملازمت کی ذمہ داریاں بھی امانت ہیں

امانت کا دوسرا مفہوم اس کے علاوہ بھی ہے جس کو عام طور پر لوگ

امانت نہیں سمجھتے ہیں، وہ یہ ہے کہ فرض کرو کہ ایک شخص نے کہیں ملازمت اختیار کی ہے، اس ملازمت میں جو فرائض اس کے سپرد کئے گئے ہیں وہ امانت ہیں، ان فرائض کو وہ ٹھیک ٹھیک بجالائے، اور جن اوقات میں اس کو ڈیوٹی دینے کا پابند کیا گیا ہے، ان اوقات کا ایک ایک لمحہ امانت ہے، لہٰذا جو فرائض اس کے سپرد کئے گئے ہیں، اگر وہ ان فرائض کو ٹھیک ٹھیک انجام نہیں دیتا، بلکہ کام چوری کرتا ہے تو ایسا شخص اپنے فرائض میں کوتاہی کر رہا ہے، اور امانت میں خیانت کر رہا ہے۔

تنخواہ حرام ہوگئی

مثلاً ایک شخص سرکاری دفتر میں ملازم ہے، اور اس کو اس کام پر لگایا گیا ہے کہ جب فلاں کام کے لئے لوگ تمہارے پاس آئیں تو تم ان کا کام کر دینا، یہ کام اس کے ذمہ ایک فریضہ ہے جسکی وہ تنخواہ لے رہا ہے، اب کوئی شخص اس کے پاس اس کام کے لئے آتا ہے، وہ اس کو ٹلا دیتا ہے، اس کو چکر کھلا رہا ہے، تاکہ یہ تنگ آکر مجھے کچھ رشوت دیدے، آج کے سرکاری دفاتر اس بلا سے بھرے پڑے ہیں، آج سرکاری ملازم جس عہدے پر بھی ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ جو شخص میرے پاس آرہا ہے اس کی کھال اتارنا اور اس کا خون نچوڑنا میرے لئے حلال ہے، یہ امانت میں خیانت ہے، اور وہ اس کام کی جو تنخواہ لے رہا ہے، وہ تنخواہ بھی حرام ہوگئی،

اگر وہ اپنے فرائض ٹھیک ٹھیک انجام دیتا، اور پھر تنخواہ لیتا تو وہ تنخواہ اس کے لئے حلال ہوتی، اور برکت کا سبب ہوتی۔ لہٰذا اس کام کرنے پر جو رشوت لے رہا تھا وہ تو حرام ہی تھی، لیکن اس نے حلال تنخواہ کو بھی حرام کر دیا، اس لئے کہ اس نے اپنے فریضے کو صحیح طور پر انجام نہیں دیا۔

ملازمت کے اوقات بھی امانت ہیں

اسی طرح ملازمت کے لئے یہ طے کیا تھا کہ میں آٹھ ۸ گھنٹے ڈیوٹی دوں گا، اب اگر اس آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی میں سے کچھ چوری کر گیا، اور کچھ وقت اپنے ذاتی کام میں استعمال کر لیا تو جتنا وقت اس نے اپنے ذاتی کام میں استعمال کیا، اس وقت میں اس نے امانت میں خیانت کی، کیونکہ یہ آٹھ گھنٹے اس کے پاس امانت تھے، اس کے لئے جائز نہیں تھا کہ اس میں اپنا کوئی ذاتی کام کرے، یہ اوقات بک چکے، اب اگر اس وقت میں دوستوں سے باتیں شروع کر دیں یہ امانت میں خیانت ہے، اور جتنی دیر یہ خیانت کی اتنی دیر کی تنخواہ اس کے لئے حلال نہیں۔

خانقاہ تھانہ بھون کا اصول

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ کی خانقاہ میں اور مدرسہ میں یہ طریقہ تھا کہ استادوں کے لئے گھنٹے مقرر تھے کہ فلاں وقت میں وہ استاد آئے گا، اور فلاں کتاب

پڑھائے گا، اور مدرسہ کی طرف سے کوئی قانون اور ضابطہ مقرر نہیں تھا، مگر ہر شخص کا مزاج بنا دیا گیا تھا، اس لئے جب کوئی استاد تاخیر سے آتا تو وہ رجسٹر پر نوٹ لکھ دیتا کہ آج میں اتنی تاخیر سے آیا، اور اگر مدرسہ کے اوقات کے درمیان کوئی دوست یا کوئی عزیز رشتہ دار ملاقات کے لئے آ گیا، اور اس کے ساتھ بات چیت میں مشغول ہو گیا تو اس وقت گھڑی دیکھ کر استاد وقت نوٹ کر لیتا کہ یہ دوست اس وقت آیا، اور اس وقت واپس گیا، اور آدھا گھنٹہ دوست کے ساتھ بات چیت میں صرف ہو گیا، اور جب تنخواہ وصول کرنے کا وقت آتا تو وہ پورے مہینے کا گوشوارا پیش کرتا اور ایک درخواست پیش کرتا کہ ہم سے اس ماہ میں یہ کوتاہی ہوئی ہے، اور ہم نے اتنا وقت اپنی ذاتی مصروفیات میں خرچ کر دیا تھا، لہٰذا اتنے وقت کی تنخواہ ہماری کاٹ لی جائے، اس طرح ہر استاد مہینے کے ختم پر درخواست دے کر اپنی تنخواہ کٹواتا تھا۔

پسینہ نکلا یا نہیں؟

آج کل جب لوگ کہیں ملازمت کرتے ہیں یا مزدوری کرتے ہیں تو یہ حدیث بہت یاد رہتی ہے کہ مزدور کو اس کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو، مگر میں یہ عرض کرتا ہوں کہ یہ بھی تو دیکھو کہ پسینہ نکلا بھی یا نہیں؟ ہمیں پسینہ نکلنے کی تو کوئی فکر نہیں ہے کہ جس کام میں میرا پسینہ نکلنا

چاہیے تھا وہ نکلا یا نہیں؟ اور واقعۃ ہم اجرت کے حق دار بنے یا نہیں؟ اس کو تو کوئی نہیں دیکھتا، بس یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ مزدوری ادا کرو، بہر حال یہ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی اور یہ اوقات کا چرانا یہ سب امانت میں خیانت ہے، اور اس کے عوض جو پیسے مل رہے ہیں وہ حرام ہیں، وہ انسان اپنے پیٹ میں آگ کے انگارے کھا رہا ہے۔

مجلس کی باتیں بھی امانت ہیں

ایک اور چیز ہے جس کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضاحت کے ساتھ توجہ دلائی، چنانچہ آپ نے فرمایا:

اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ.

''انسانوں کی مجلسوں میں کہی گئی بات بھی امانت ہے۔''

مثلاً دو چار آدمی بیٹھے ہوئے تھے، ان میں سے کسی ایک نے کوئی بات کہی، تو آپ کے لئے جائز نہیں کہ اس کی اجازت کے بغیر اس کی بات کو کہیں اور جا کر نقل کر دیں، اس لئے کہ جو بات اس کے منہ سے نکل کر آپ کے کان میں پڑی ہے، وہ آپ کے پاس اس کی امانت ہے، لہٰذا اگر وہ بات کسی اور سے بیان کرنی ہے تو پہلے اس سے اجازت لو کہ میں تمہاری یہ بات فلاں سے نقل کرنا چاہتا ہوں، آپ کی اجازت ہے یا نہیں؟ اس کی اجازت کے بغیر اس بات کو کہیں اور جا کر بیان کرنا امانت میں خیانت ہے۔

راز کی باتیں بھی امانت ہے

اسی طرح کسی نے آپ کو اپنے راز کی کوئی بات کہہ دی، اور ساتھ میں یہ بھی کہہ دیا کہ اس کو اپنی حد تک رکھنا، تو جب تک اس کی مرضی نہ ہو، اس بات کو کہیں اور جا کر نقل کرنا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ارشاد کے مطابق امانت میں خیانت ہے، آج ہم لوگوں کا حال یہ ہے اگر دوسرے کے راز کی کوئی بات معلوم ہوگئی تو اب اس کو ساری دنیا میں گاتے پھر رہے ہیں، یہ سب خیانت کے اندر داخل ہے۔

عاریت کی چیز بھی امانت ہے

امانت کی ایک اہم قسم یہ بھی ہے کہ کسی دوسرے کی کوئی چیز آپ کے پاس عاریتاً آگئی ہے، ''عاریت'' کا مطلب یہ ہے کہ جیسے کسی سے کوئی چیز استعمال کے لئے لے لینا، مثلاً کوئی کتاب دوسرے سے پڑھنے کے لئے لے لی، یا دوسرے کا قلم لے لیا، یا گاڑی لے لی، یہ چیزیں امانت ہیں، لہٰذا پہلی بات تو اس میں یہ ہے کہ جب ضرورت پوری ہو جائے اس کے بعد جلد از جلد اس چیز کو اس کے مالک تک پہنچانا ضروری ہے، آج لوگ اس کی پرواہ نہیں کرتے، چنانچہ ایک چیز وقت ضرورت کے ساتھ آپ نے دوسرے سے لے لی تھی، اب

ضرورت ختم ہوگئی، لیکن وہ چیز آپ کے پاس پڑی ہوئی ہے، واپس پہنچانے کی فکر نہیں ہے اور اصل مالک بعض اوقات مانگتے ہوئے شرماتے ہیں کہ اگر میں نے مانگا تو اس کو برا لگے گا، لیکن اس کو ضرورت ہے اور اس کے دل پر ایک تشویش ہے کہ میری یہ چیز فلاں کے پاس ہے، اور آپ نے بے پرواہی میں وہ چیز ڈال رکھی ہے، تو جتنی دیر وہ چیز اس کے مالک کی خوش دلی کے بغیر آپ کے پاس رہے گی، اتنی دیر آپ امانت میں خیانت کے مرتکب ہوں گے۔

دفتری اشیاء بھی امانت ہے

جو لوگ دفتر میں ملازم ہوتے ہیں، ان کو دفتر کی طرف سے بہت سی چیزیں استعمال کرنے کے لئے ملتی ہیں، اب دفتر کے قواعد اور ضوابط کے تحت تو ان اشیاء کو استعمال کرنا جائز ہے، اور اگر ان قواعد اور ضوابط کے خلاف استعمال کیا جائے تو یہ حرام ہے، اور امانت میں خیانت ہے، مثلاً دفتر کی طرف سے آپ کو پین ملا ہے، پیڈ ملا ہے، لفافے ملے ہیں، یا دفتر میں آپ کے فون لگا ہوا ہے، یا دفتر کی طرف سے آپ کو گاڑی ملی ہوئی ہے، یا موٹر سائیکل ملی ہوئی ہے اور اب ان چیزوں کے استعمال کے بارے میں دفتر کے کچھ قواعد ہیں کہ ان قواعد کے تحت ان اشیاء کو استعمال کیا جائے، تو اب قواعد کے دائرے میں ان

اشیاء کو استعمال کرنا جائز ہے، ان قواعد سے الگ ہٹ کر آپ نے ان اشیاء کو اپنے کسی ذاتی کام میں استعمال کرلیا تو خیانت ہے۔

مال و دولت بھی امانت ہے

اور مال و دولت جو انسان اپنے ہاتھوں سے کماتا ہے جس کے لئے وہ اپنی بہترین توانائیاں اور صلاحیتیں استعمال کرتا ہے، وہ بھی اس کا اپنا نہیں ہے۔ اسی لئے تو قیامت کے دن اس وقت تک قدم اٹھانے کی اجازت نہ ہوگی جب تک ہر مال والے سے یہ نہ پوچھ لیا جائے کہ یہ مال کہاں سے حاصل کیا اور کہاں خرچ کیا۔

انسان کی یہ فکر اور سوچ کہ مال میرا ہے، میں نے اپنے علم اور تجربے سے حاصل کیا ہے میں اسے جہاں چاہوں خرچ کروں مجھے کوئی روک نہیں سکتا۔ یہ تو قارون کا نظریہ ہے، یہ تو کافرانہ سوچ ہے، یہ تو مشرکانہ تھیوری ہے۔

قارون سے جب کہا جاتا:

وَابْتَغِ فِيْمَا اٰتٰکَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَکَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ کَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْکَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ.

(سورة القصص پ ۲۰ ع ۱۰)

''اور خدا نے تجھ کو جتنا دے رکھا ہے اس میں عالمِ آخرت کی بھی جستجو کیا کر اور دنیا سے اپنا حصہ فراموش مت کر اور جس طرح خدا تعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی احسان کیا کر اور دنیا میں فساد کا خواہاں مت ہو، بیشک اللہ تعالیٰ اہل فساد کو پسند نہیں کرتا۔''

تو وہ اس کے جواب میں انتہائی متکبرانہ انداز میں کہتا:

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ

'' قارون کہنے لگا کہ مجھ کو تو یہ سب کچھ میری ذاتی ہنرمندی سے ملا ہے''۔

یاد رکھیں، دنیا میں سارا بگاڑ ہی اس وقت پیدا ہوتا ہے جب انسان دولت کو امانت نہیں بلکہ اپنی محنت اور ذہانت کا نتیجہ سمجھتا ہے، اگر انسان دولت کو خدا کی امانت سمجھے اور اس کے ذہن میں ہر وقت یہ بات مستحضر رہے کہ دینے والا قادر و مالک جب چاہے دولت چھین سکتا ہے وہ چاہے تو شاہوں کو گدا کر دے اور گداؤں کو شاہ کر دے، فقیروں کو امیر اور امیروں کو فقیر بنا دے۔

سب اس کے ہاتھ میں ہے لھذا مال و دولت کو ایک امانت سمجھا جائے، اپنی محنت اور ذھانت کا نتیجہ نہ سمجھے۔

عہدہ و منصب بھی امانت ہے

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہٗ نے لکھا ہے کہ حکومت کے عہدے اور منصب جتنے ہیں، وہ سب اللہ کی امانتیں ہیں، جس کے امین وہ حکام اور افسر ہیں جن کے ہاتھ میں عزل و نصب کے اختیارات ہیں، ان کے لئے جائز نہیں کہ کوئی عہدہ کسی ایسے شخص کے سپرد کر دیں جو اپنی عملی یا علمی قابلیت کے اعتبار سے اس کا اہل نہیں ہے، بلکہ ان پر لازم ہے کہ ہر کام اور ہر عہدہ کے لئے اپنے دائرہ حکومت میں اس کے مستحق کو تلاش کریں۔

کسی منصب پر غیر اہل کو بیٹھانے والا ملعون ہے، پوری اہلیت والا سب شرائط کا جامع کوئی نہ ملے تو موجودہ لوگوں میں قابلیت اور امانت داری کے اعتبار سے جو سب سے زیادہ فائق ہو اس کو ترجیح دیجائے۔

ایک حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو عام مسلمانوں کی کوئی ذمہ داری سپرد کی گئی ہو پھر اس نے کوئی عہدہ کسی شخص کو محض دوستی و تعلق کی مد میں بغیر اہلیت معلوم کئے ہوئے دیدیا اس پر اللہ کی لعنت ہے، نہ اس کا فرض مقبول ہے نہ نفل یہاں تک کہ وہ جہنم میں داخل کر دیا جائیگا۔ (جمع الفوائد ص ۳۲۵)

بعض روایات میں ہے کہ جس شخص نے کوئی عہدہ کسی شخص کے سپرد کیا، حالانکہ اس کے علم میں تھا کہ دوسرا آدمی اس عہدہ کے لئے اس سے زیادہ قابل اور اہل ہے تو اس نے اللہ کی خیانت کی اور رسول کی اور سب مسلمانوں کی۔

اس وقت تو ہمارے ہاں عہدوں کی تقسیم میں بندر بانٹ والا اصول ملحوظ رکھا جاتا ہے، بڑے بڑے ذہین لوگ اس لئے ذلیل وخوار پھرتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی سفارش نہیں، کسی بڑے افسر کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں، ان کے پاس رشوت دینے کے لئے پیسے نہیں، اور انگوٹھا چھاپ قسم کے لوگ صرف رشوت اور سفارش کے زور پر اونچے اونچے مناصب پر فائز ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اوپر رحم فرمائے۔ (آمین)

اولاد بھی ایک امانت ہے

تو جو اولاد اللہ تعالیٰ نے ہم کو دی ہے یہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اور اس بارِ امانت کی ادائیگی کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اولاد کی عملی اور اخلاقی تربیت اسلامی نہج پر کی جائے۔ جو لوگ چند ٹکوں کے لالچ میں اولاد کی تربیت میں غفلت کرتے ہیں وہ ایک بہت بڑی امانت میں بہت بڑی خیانت کرتے ہیں۔

اللہ کے بندو! سن لو، اولاد خدا کی نعمت ہے اس کے فساد اور بربادی

کے ذمہ دار تم ہوگے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

يَـٰٓاَيُّهَا الَّـذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا. (سورہ تحریم)

"اے ایمان والو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے۔"

اللہ کے نبی نے ارشاد فرمایا:

كلّكم راعٍ و كُلّكم مسئول عن رعيّته

"تم میں سے ہر ایک راعی اور نگہبان ہے اور تم میں سے ہر شخص سے اپنی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔" (بخاری ومسلم)

اگر تم نے اپنی اولاد کو دنیا کی اندھی ہوس اور لالچ میں تباہ کر دیا تو قیامت کے دن تم اس سے بری الذمہ نہیں ہوگے اور اگر تم نے اولاد کی صحیح تربیت کر دی تو یہ صدقہ جاریہ ہوگا جس کا ثواب مرنے کے بعد بھی تم کو ملتا رہے گا، اللہ تعالیٰ کے سچے نبی نے ارشاد فرمایا:

اذا مات الانسان انقطع عمله الا من ثلث صدقة جارية او علم ينتفع به او ولدٍ صالح يدعوله (مسلم)

"جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے مگر تین

چیزیں ہیں (جو باقی رہتی ہیں) ۱۔ صدقہ جاریہ ۲۔ علم جس
سے فائدہ ہو۔ ۳۔ نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔"

یہ سب کچھ اسی وقت ممکن ہوگا جب ہم نے اس کو امانت سمجھ کر اس کی صحیح تربیت کی ہوگی، اللہ تعالیٰ ہمیں اولاد کا صحیح حق امانت سمجھ کر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، (آمین)

قرآن کریم میں ایک عظیم امانت کا تذکرہ

یہ وہ امانت ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ احزاب کے آخری رکوع میں فرمایا ہے، اور اس کی نسبت براہِ راست اللہ نے اپنی طرف فرمائی ہے:

اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ
وَالۡجِبَالِ فَاَبَيۡنَ اَنۡ يَّحۡمِلۡنَهَا وَاَشۡفَقۡنَ مِنۡهَا
وَحَمَلَهَا الۡاِنۡسَانُ، اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوۡمًا جَهُوۡلًا ۔

(الاحزاب : ۷۲)

"فرمایا کہ اس امانت کو ہم نے آسمانوں پر اور زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کیا کہ یہ امانت تم اٹھالو تو ان سب نے اس امانت کے اٹھانے سے انکار کیا (کہ نہیں یہ ہمارے بس کا کام نہیں ہے)، اور انسان نے اس کو اُٹھالیا یعنی اپنے ذمہ لے لیا، وہ ظالم ہے جاہل ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ یہ زندگی تمہارے پاس ہماری امانت ہوگی، اور ہم تمہیں بتا دیں گے کہ فلاں کام میں اس زندگی کو خرچ کرنا ہے، اور فلاں کام میں نہیں کرنا، اگر تم اس زندگی کو ہمارے احکام کے مطابق استعمال کرو گے تو تمہارے لئے جنت ہوگی، اور اگر ہمارے احکام کے خلاف استعمال کرو گے تو تمہارے لئے جہنم ہوگی، اور دائمی عذاب ہوگا۔

آسمان، زمین اور پہاڑ ڈر گئے

جب اس امانت کی پیش کش آسمانون پر کی گئی کہ تم یہ امانت اٹھالو تو آسمانوں نے کہا کہ ہم موجودہ حالت میں بہتر ہیں، اگر یہ امانت ہم نے لے لی تو پتہ نہیں کہ اس کو سنبھال سکیں گے یا نہیں، اور اگر نہ سنبھال سکے تو آپ کے فرمان کے مطابق دائمی جہنم کے مستحق ہوں گے، اور ہمیشہ کے لئے ایک عذاب کھڑا ہو جائے گا اس لئے یہ بہتر ہے کہ نہ ہمیں جنت ملے، اور نہ جہنم ملے، اس وقت عافیت سے تو ہیں، چنانچہ آسمانوں نے انکار کر دیا۔

پھر اس امانت کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر پیش کیا کہ تو بہت بڑا اور ٹھوس کرہ ہے، تیرے اندر پہاڑ ہیں، سمندر ہیں، درخت، جمادات، نباتات تیرے اندر ہیں، تم یہ امانت لے لو، تو زمین نے کہا کہ میں اس کے

اٹھانے کے قابل نہیں ہوں، اگر یہ امانت میں نے اٹھالی تو خدا جانے میرا کیا حشر بنے گا، لہٰذا اس نے بھی انکار کر دیا۔

اس کے بعد پہاڑوں پر اللہ تعالیٰ نے اس امانت کو پیش کیا کہ تم سخت جان ہو، اور لوگ سخت جان ہونے میں پہاڑوں سے تشبیہ دیتے ہیں، تم یہ امانت اٹھالو، انہوں نے بھی انکار کر دیا کہ ہم یہ امانت نہیں لیتے، موجودہ حالت ہماری بہتر ہے، اور اگر اس آزمائش میں پڑ گئے تو پتہ نہیں کامیاب ہوں گے، یا ناکام ہوں گے، اور اگر ناکام ہوئے تو ہمارے اوپر مصیبت آجائے گی۔

انسان نے امانت کی ذمہ داری قبول کر لی

اس کے بعد ہم نے امانت انسان پر پیش کی کہ تم یہ امانت اٹھالو، حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالمِ ازل میں انسانوں کی تخلیق سے ہزار ہا سال پہلے ان تمام روحوں سے جو قیامت تک پیدا ہونے والی تھیں، ان سب روحوں کو جمع فرمایا، اور ہر روح ایک چھوٹی سی چیونٹی کی شکل میں سامنے آئی، اور اس وقت ان کے سامنے یہ امانت پیش کی کہ آسمان، زمین اور پہاڑ تو سب اس امانت کے اٹھانے سے انکار کر گئے، تم یہ امانت لیتے ہو؟ اس انسان نے کہا کہ ہاں میں لیتا ہوں، جب انسان نے قبول کر لیا تو یہ امانت اس کے پاس آگئی۔

یہ وہ امانت ہے کہ جب یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حوالے ہوتی تھی تو آپ انتہائی ثقل اور بوجھ محسوس کرتے تھے، سخت سردی میں آپ کی مقدس پیشانی پر پسینے کی بوندیں موتی بن کر جھلملانے لگتی تھی۔

یہ وہ امانت ہے جو ایک لاکھ سے زیادہ انبیاء کرام علیہم السلام کے حوالے وقتاً فوقتاً کی جاتی رہی۔

اس وقت ہمارے پاس سب سے بڑی امانت قرآن ہے، سب سے بڑی امانت خدا کا دین ہے، سب سے بڑی امانت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حوالہ ہوئی تو آپ نے اس امانت کا حق ادا کردیا تھا۔

يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ.

(سورة المائده پ ٦ ع ١٧)

”اے رسول جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے آپ سب پہنچا دیجئے اور اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو آپ نے اللہ کا ایک پیغام بھی نہیں پہنچایا۔“

تو آپ نے یہ امانت دوسروں تک پہنچانے کے لئے اپنی ساری زندگی قربان کردی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ دن دیکھا نہ رات دیکھی، نہ صبح دیکھی نہ شام دیکھی نہ سردی دیکھی نہ گرمی دیکھی نہ بہار

دیکھی نہ خزاں دیکھی۔

آپ نے سب وشتم کی پرواہ کی نہ تمسخر اور طعنہ کی تعذیب اور ایذا دہی کا کوئی حربہ آپ کا راستہ نہ روک سکا۔

آپ گالیوں اور پتھروں کی بارش میں بھی یہ امانت دوسروں تک پہنچاتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ وقت آ پہنچا جب آپ عرفات کے تاریخی میدان میں اونٹنی پر سوار تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقدس مجمع سے سوال کیا۔

وانتم تُسألون عنی فما انتم قائلون

"لوگو! کل قیامت کے دن تم سے میرے بارے سوال ہوگا کہ میں نے دین کی امانت تم تک پہنچادی تھی یا نہیں،

لوگو! تم سے سوال ہوگا کہ میں نے یہ امانت تم تک پہنچانے میں کوئی کوتاہی تو نہیں کی؟

لوگو! میں قیامت کا دن آنے سے پہلے تم سے آج سوال کرتا ہوں کہ میں نے خدائی امانت تم تک پہنچادی ہے یا نہیں؟

آپ کے اس سوال کے جواب میں پورا مجمع پکار اٹھا۔

قَالُوا نَشْهَدُ انَّکَ قَدْ بَلَّغْتَ وَادَّیْتَ

وَنَصَحْتَ،

ہماری جان آپ پر قربان پہنچانا کیا معنی آپ نے تو پہنچانے کا حق ادا کر دیا ہم میں سے وہ بھی تھے جنہوں نے آپ کو گالیاں دیں، برا بھلا کہا، راستے میں کانٹے بکھیرے، آپ کے جسم اطہر پر سنگ باری کی۔

مگر آپ نے ان کو سینے سے لگایا، ان کے راستے میں پھول بچھائے ان کو دعائیں دیں اور ان کے سینوں کو اس امانت کے نور سے منور کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آسمان کی طرف انگشت شہادت اٹھائی اور مجمع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین بار ارشاد فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ، اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ، اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ،

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان برگزیدہ انسانوں یعنی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے کہا کہ اب اس امانت کو دوسروں تک پہنچانا یہ تمہاری ذمہ داری ہے۔

چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے بھی امانت کو دوسروں تک پہنچانے کا حق ادا کر دیا۔ اب اس امانت کو دوسروں تک پہنچانے کا حق ہمیں بھی ادا کرنا ہے جس کے ہم وارث بنائے گئے ہیں ورنہ خیانت کے مرتکب کہلائیں گے۔

قرآن کریم نے دوسری جگہ فرمایا:

یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْا اَمَانَاتِکُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ.

(الانفال: ۲۷)

"اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی امانت میں خیانت نہ کرو کہ تم نے اللہ تعالیٰ سے امانت لی تھی، اور اللہ کے رسول نے تمہیں اس امانت کے بارے میں بتا دیا تھا، اس امانت کے خلاف خیانت نہ کرو، (اور جو امانتیں تمہارے پاس موجود ہیں، ان میں بھی خیانت نہ کرو ان کو ٹھیک ٹھیک استعمال کرو) حالاں کہ تم جانتے ہو۔

خیانت کی بعض مخفی قسمیں

جس طرح بعض جھوٹ اس قسم کے ہیں کہ بہت سے لوگ ان کو جھوٹ ہی نہیں سمجھتے، اسی طرح خیانت کی بھی بعض صورتیں ایسی ہیں کہ بہت سے لوگ ان کو خیانت ہی نہیں جانتے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کے بارے میں بھی امت کو واضح طور پر آگاہی دی ہے، اس سلسلہ میں ذیل کی حدیثیں پڑھئے:۔

مشورہ امانت ودیانت سے دیا جائے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی الله عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ لِاَبِیْ الْهَیْثَمِ بْنِ الْتَّیْهَانِ اِنَّ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنٌ.

(رواہ الترمذی)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے ایک موقع پر ابوالہیثم بن التیہان سے فرمایا: جس سے کسی معاملہ میں مشورہ کیا جائے وہ اس میں امین ہے (اور اس کے سپرد امانت کی جاتی ہے)۔''

فائدہ

ابوالہیثم بن التیہان نے کسی معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم سے مشورہ چاہا تھا، اس موقع پر آپ نے ان سے یہ ارشاد فرمایا: جس کا مطلب یہ تھا کہ جس سے کسی معاملہ میں مشورہ لیا جائے اسے چاہئے کہ وہ محسوس کرے کہ مشورہ چاہنے والے نے اس کو اعتماد اور بھروسہ کے قابل سمجھ کر اس سے مشورہ چاہا ہے اور اپنی ایک امانت اس کے سپرد کی ہے، لہٰذا اسے چاہئے کہ حق امانت ادا کرنے میں کوتاہی نہ کرے، یعنی اچھی طرح

سوچ سمجھ کر صحیح مشورہ دے اور پھر اس کی بات کو راز میں رکھے، اگر ایسا نہیں کرے گا تو ایک درجہ کی خیانت کا مجرم ہوگا۔

دائیں بائیں دیکھ کر کہی جانے والی بات ''امانت'' ہے

عَنْ جَابِرِبْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰـهُ عَلَيْـهِ وَالِـهٖ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا حَدَّثَ الرَّجُلُ الْحَدِيْثَ ثُمَّ الْتَفَتَ فَهِيَ اَمَانَةٌ.

(رواه الترمذی و ابو داؤد)

''حضرت جابر بن عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنی کوئی بات کہے اور پھر ادھر اُدھر دیکھے تو وہ امانت ہے۔''

فائدہ

مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تم سے بات کرے اور وہ زبانی تم سے نہ کہے کہ اس کو راز رکھنا، لیکن اس کے کسی طرز انداز سے تمہیں محسوس ہو کہ وہ نہیں چاہتا ہے کہ اس کی یہ بات عام لوگوں کے علم میں آئے تو پھر اس کی یہ بات امانت ہی ہے، اور امانت کی طرح تم کو اس

کی حفاظت کرنی چاہئے، اگر ایسا نہ کیا اور دوسروں کو تم نے پہنچا دیا، تو تمہاری طرف سے امانت میں یہ خیانت ہوگی، اور تمہیں خدا کے سامنے اس کا جواب دینا ہوگا۔

لیکن ایک دوسری حدیث میں صاف فرمایا گیا ہے کہ:

''اگر کسی بندہ کے ناحق قتل یا اس کی آبروریزی یا اس کو مالی نقصان پہنچانے کی کوئی سازش تمہارے علم میں آئے، تو پھر ہرگز اس کو راز میں نہ رکھو، بلکہ متعلقہ آدمیوں کو اس سے مطلع کر دو۔''

وہ حدیث بھی یہیں پڑھ لیجئے۔

مجلس کی باتیں امانت ہیں

عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ اِلَّا ثَلٰثَةَ مَجَالِسَ سَفْكُ دَمٍ حَرَامٍ اَوْ فَرْجٍ حَرَامٍ اَوِاقْتِطَاعُ مَالٍ بِغَيْرِ حَقٍّ. (رواہ ابو داؤد)

''حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نشستیں امانت داری کے ساتھ ہوں (یعنی کسی مجلس میں راز

داری کے ساتھ جو مشورہ یا فیصلہ ہو، اہل مجلس امانت
سمجھ کر اس کو راز میں رکھیں، لیکن تین مجلسیں اس سے
مستثنیٰ ہیں، ایک وہ جس کا تعلق کسی کے خونِ ناحق کی
سازش سے ہو، دوسرے وہ جس کا تعلق کسی کی عصمت
وعفت لوٹنے کے مشورہ سے ہو، اور تیسرے وہ جس کا
تعلق بغیر کسی حق کے کسی کا مال چھیننے سے ہو۔"

فائدہ

ان تین باتوں کو بھی صرف مثال سمجھنا چاہئے، ورنہ منشا یہ ہے کہ اگر کسی مجلس میں کسی معصیت اور ظلم کے لئے کوئی سازش اور کوئی مشورہ کیا جائے، اور تم کو بھی اس میں شریک کیا جائے یا کسی معتمد شخص کے ذریعہ تمہیں معلوم ہو جائے تو پھر ہرگز اس کو راز میں نہ رکھو، بلکہ اس صورت میں تمہاری دیانت داری کا تقاضا یہ ہے کہ ظلم و معصیت کے اس منصوبہ کو ناکام بنانے کے لئے جن کو اس سے باخبر کرنا تم ضروری سمجھو، ان کو ضرور باخبر کر دو، اگر ایسا نہ کرو گے تو اللہ کے حق میں بھی خیانت ہوگی اور بندوں کے حق میں بھی۔

کان اور ہاتھ کی خیانت

یہ کان تمہیں اس لئے دیئے گئے تھے کہ اس کے ذریعے ضرورت کی

باتیں سنو، اچھی باتیں بھی سنو، اور تفریح کی باتیں بھی سنو، لیکن معصیت کی باتیں سننے سے تمہیں روکا گیا تھا، لیکن تم نے اس کان کو معصیت کی باتیں سننے میں استعمال کیا، یہ اللہ تعالیٰ کی امانت میں خیانت ہوئی۔

یہ ہاتھ اللہ تعالیٰ نے اس لئے دیے تھے تاکہ تم اس کے ذریعے جائز مقاصد حاصل کرسکو، کماؤ، محنت کرو، جدوجہد کرو، لیکن تم نے یہ ہاتھ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے سامنے پھیلا دیئے، جی ہاں پھیلانا تمہارے لئے جائز نہیں تھا، یہ ہاتھ کا غلط استعمال ہے، جو امانت میں خیانت ہے، یا ان ہاتھوں سے ایسی چیز پکڑلی جس کا پکڑنا تمہارے لئے جائز نہیں تھا، یہ امانت میں خیانت ہے۔

آنکھ کی خیانت

مثلاً اگر آنکھ سے ان چیزوں کو دیکھا جا رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہیں، اور نامحرم پر لذت لینے کے لئے نگاہ ڈالی جارہی ہے، ایسی فلمیں دیکھی جارہی ہیں جن کا دیکھنا حرام ہے تو یہ آنکھ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور معصیت میں استعمال ہورہی ہے، اللہ تعالیٰ نے تو یہ آنکھ تمہیں اس لئے دی تھی کہ تم اس سے نفع اٹھاؤ، دنیا کے حسین مناظر اس کے ذریعے دیکھو، اس کے ذریعے اپنی بچوں کو دیکھ کر خوش ہو، اس کے ذریعے

اپنے والدین کو دیکھ کر خوش ہو، اس کے ذریعے اپنے بھائی، بہن اور دوست احباب کو دیکھ کر خوش ہو، اور اس کے ذریعے دنیا کے کام چلاؤ، لیکن تم نے اس آنکھ کو فساد میں استعمال کرلیا، گناہ اور معصیت میں استعمال کرلیا، تو یہ اللہ تعالیٰ کی امانت میں خیانت ہوئی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو امانت کا پاس کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور خیانت سے محفوظ فرمائے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وَاٰخرُ دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العالمین

صدقہ
کے
فضائل و برکات

افادات

پیرِ طریقت رہبرِ شریعت

حضرت مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تلمیذ رشید

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز

مرشد الموحدین قطب الاقطاب حضرت مولانا حماد اللہ ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و تزئین

عاصم عبداللہ

کرملی دار الکتب کراچی

جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی 2 کراچی 75230

0333-2124384

صدقہ اللہ کے غصہ کو ٹھنڈا کرتا ہے

عن انس رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم :اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِيْتَةَ السُّوْءِ.

(رواہ الترمذی)

"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ صدقہ کے اللہ تعالیٰ کے غصہ کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بری موت کو دفع کرتا ہے۔"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدُ للّٰہِ نحمدہ علٰی ما انعم وعلّمنا ما لم نعلم والصّلٰوۃ علٰی افضل الرسل واکرم. وعلٰی آلہٖ وصحبہ وبارک وسلم. اما بعد!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

قال اللہ تبارک و تعالیٰ: اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ بِاللَّیْلِ وَالنَّھَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَلَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ. (سورۃ بقرۃ آیات ۲۷۴ /پ ۳)

آمنت باللّٰہ صدق اللہ مولانا العظیم

”جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں رات کو اور دن کو چھپا کر اور ظاہر کر کے تو ان کیلئے ثواب ہے ان کا اپنے رب کے پاس اور نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

شان نزول

’’حضرت ابن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے
نقل فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس
چار دراھم تھے ایک درہم رات کو ایک دن کو ایک کو
خفیہ حالت میں ایک کو علانیہ کی حالت میں نفقہ کردیا
یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کردیا تو اللہ نے یہ آیات
نازل فرمائی۔‘‘

روح المعانی میں بحوالہ ابن عساکر نقل کیا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چالیس ہزار دینار اللہ کی راہ میں اس طرح خرچ کئے کہ دس ہزار دن میں دس ہزار رات میں دس ہزار خفیہ اور دس ہزار علانیہ طور پر بعض مفسرین نے اس آیات کا شانِ نزول اسی واقعہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا ہے۔ (معارف القرآن: ج/۱)

مال و دولت میں زکوٰۃ کے علاوہ صدقات بھی ہیں

و عن فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ رضى الله عنها
قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ
وَسَلَّمَ اِنَّ فِى الْمَالِ لَحَقًّا سِوَى الزَّكَاةِ ثُمَّ
تَلاَ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ
الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ. اَلْاٰيَة. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

''اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت قیس کہتی
ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:
مال و زر میں زکوٰہ کے علاوہ اور ''حق'' بھی ہیں پھر
آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے یہ پوری آیت کریمہ
تلاوت فرمائی: ''نیکی یہی نہیں ہے کہ اپنے منہ کو مشرق
و مغرب کی طرف متوجہ کرو الخ۔''

فائدہ

مطلب یہ ہے کہ مال کی زکوٰۃ دینا تو فرض ہے ہی کہ وہ ضرور دینی چاہیئے۔ مگر زکوٰۃ کے علاوہ کچھ اور نفلی صدقات بھی مستحب ہیں کہ ان کا دیا جانا بھی بہت زیادہ ثواب کا باعث ہے اور وہ صدقات یہ ہیں کہ سائل اور قرض مانگنے والے کو محروم و مایوس نہ کیا جائے گھر گرہستی کا سامان مثلاً ہانڈی و دیگچی اور پیالہ وغیرہ یا اور ایسا وہ سامان جو اپنے قبضہ و ملکیت میں ہو اگر کوئی عاریۃً مانگے تو اسے دینے میں دریغ نہ کیا جائے کسی کو پانی، نمک، اور آگ لینے سے منع نہ کیا جائے، وغیرہ وغیرہ۔

''حق'' سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کو مذکورہ آیت میں بیان کیا گیا، یعنی اپنے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سائلوں کے ساتھ احسان اور حسن سلوک کا معاملہ کرنا، اور غلام کو آزاد کرنے کیلئے مال خرچ کرنا وغیرہ مذکورہ بالا آیت پوری یوں ہے۔

لَيۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ وَلٰكِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ، وَالۡمَلٰٓئِكَةِ وَالۡكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الۡمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنَ وَابۡنَ السَّبِيۡلِ وَالسَّآئِلِيۡنَ وَفِى الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ط

''نیکی یہی نہیں ہے کہ تم مشرق ومغرب (کو قبلہ سمجھ کر اُن) کی طرف منہ کرلو، بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ خدا پر، اور فرشتوں پر، اور (خدا کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں، اور مال باوجود عزیز رکھنے کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں اور گردنوں (کے چھڑانے) میں (خرچ کریں) اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے یہ آیت اس لئے بطور استناد تلاوت فرمائی کہ اس میں حق تعالیٰ نے پہلے تو ان مومنین کی تعریف بیان فرمائی ہے جو اپنے رشتہ داروں ،یتیموں اور مساکین وغیرہ پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں اس کے بعد نماز پڑھنے والوں اور زکوٰۃ دینے والوں کی تعریف بیان کی لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ'' مال

خرچ کرنا'' زکوٰۃ دینے کے علاوہ ہے جو صدقہ نفل کہلاتا ہے، گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جو یہ فرمایا تھا کہ مال وزر کے بارے میں زکوٰۃ کے علاوہ اور بھی حق (یعنی صدقاتِ نافلہ) ہیں وہ اس آیت سے ثابت ہوا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے صدقاتِ نافلہ کو ذکر کیا، اس کے بعد صدقہ واجب یعنی زکوٰۃ کا ذکر کیا گیا۔''

اللہ کی مخلوق میں صدقہ سب سے بڑی چیز ہے

و عن انس رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الْاَرْضَ جَعَلَتْ تَمِيْدُ فَخَلَقَ الْجِبَالَ فَقَالَ بِهَا عَلَيْهَا فَاسْتَقَرَّتْ فَعَجِبَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ شِدَّةِ الْجِبَالِ فَقَالُوْا يَارَبِّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ اَشَدُّ مِنَ الْحَدِيْدِ قَالَ نَعَمْ النَّارُ فَقَالُوْا يَارَبِّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ اَشَدُّ مِنَ النَّارِ قَالَ نَعَمِ الْمَاءُ فَقَالُوْا يَارَبِّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ اَشَدُّ مِنَ الْمَاءِ قَالَ نَعَمِ الرِّيْحُ فَقَالُوْا يَارَبِّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ اَشَدُّ مِنَ الرِّيْحِ قَالَ

نَعَمُ ابُنُ ادَمَ تَصَدَّقَ صَدَقَةً بِيَمِينِهٖ يُخْفِيهَا مِنُ شِمَالِهٖ . رَوَاهُ التِّرُمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيُثٌ غَرِيُبٌ وَذُكِرَ حَدِيُثُ مُعَاذٍ الصَّدَقَةُ تُطُفِيُ الُخَطِيُئَةَ فِي كِتَابِ الْاِيُمَانِ.

''اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے زمین پیدا کی تو وہ ہلنے لگی پھر اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو پیدا فرما کر انہیں زمین پر کھڑا کیا، چنانچہ زمین ٹھہر گئی فرشتوں کو پہاڑ کی سختی سے بڑا تعجب ہوا، وہ کہنے لگے کہ ہمارے پروردگار! کیا تیری مخلوقات میں کوئی چیز پہاڑوں سے بھی زیادہ سخت ہے؟'' پروردگار نے فرمایا: ''ہاں لوہا ہے'' (کہ وہ پتھر کو بھی توڑ ڈالتا ہے) انہوں نے پوچھا کہ ہمارے پروردگار! کیا تیری مخلوقات میں کوئی چیز لوہے سے بھی زیادہ سخت ہے؟'' پروردگار نے فرمایا'' ہاں! آگ ہے'' (کہ وہ لوہے کو بھی پگھلا دیتی ہے) پھر انہوں نے عرض کیا کہ: ''ہمارے پروردگار! کیا تیری مخلوقات میں کوئی چیز آگ سے بھی زیادہ سخت ہے؟'' پروردگار نے فرمایا: ''ہاں! پانی ہے'' (کہ وہ

آگ کو بھی بجھا دیتا ہے) پھر انہوں نے پوچھا کہ: ”
ہمارے پروردگار کیا تیری مخلوقات میں کوئی چیز پانی
سے بھی زیادہ سخت ہے؟“ پروردگار نے فرمایا:
”ہاں ہوا ہے“ (کہ وہ پانی کو بھی خشک کر دیتی ہے۔)
پھر انہوں نے عرض کیا کہ: ”ہمارے پروردگار کیا
تیری مخلوقات میں کوئی چیز ہوا سے بھی زیادہ سخت
ہے؟ پروردگار نے فرمایا: ”ہاں! اور وہ ابن آدم
کا صدقہ دینا ہے کہ وہ خدا کی راہ میں اپنے دائیں
ہاتھ سے (اس طرح) مال خرچ کرتا ہے (کہ)
اسے بائیں ہاتھ سے (بھی) چھپاتا ہے۔“ امام
ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ
یہ حدیث غریب ہے۔“

صدقہ کی ترغیب اور اس کی برکات

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ
اللّٰهُ تَعَالٰی اَنْفِقْ یَابْنَ اٰدَمَ اُنْفِقْ عَلَیْکَ.

(رواه البخاری و مسلم)

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ہر

بندے کو اللہ کا پیغام ہے کہ اے آدمؑ کے فرزند! تو
(میرے ضرورت مند بندوں پر) اپنی کمائی خرچ کر،
میں اپنے خزانہ سے تجھ کو دیتا رہوں گا۔"

فائدہ

گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضمانت ہے کہ جو بندہ اس کے ضرورتمند بندوں کی ضرورتوں پر خرچ کرتا رہے گا اس کو اللہ تعالیٰ کے خزانہ غیب سے ملتا رہے گا، اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کو یقین کی دولت سے نوازا ہے ہم نے دیکھا کہ ان کا یہی معمول ہے اور ان کے ساتھ ان کے رب کریم کا یہی معاملہ ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اس یقین کا کوئی حصہ نصیب فرمائے۔

گنتی کے بغیر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم

عَنْ اَسْمَاءَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْفِقِیْ وَلَاتُحْصِیْ فَیُحْصِیَ اللّٰہُ عَلَیْکِ وَلَا تُوْعِیْ فَیُوْعِیَ اللّٰہُ عَلَیْکِ اِرْضَخِیْ مَا اسْتَطَعْتِ.

(رواہ البخاری و مسلم)

"حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان سے فرمایا: "تم اللہ کے بھروسہ پر اس کی راہ میں کشادہ

دستی سے خرچ کرتی رہو اور گنومت (یعنی اس فکر میں نہ پڑو کہ میرے پاس کتنا ہے اور اس میں سے کتنا راہِ خدا میں دوں) اگر تم اس کی راہ میں اس طرح حساب کر کر کے دوگی تو وہ بھی تمہیں حساب ہی سے دے گا (اور اگر بے حساب دوگی تو وہ بھی اپنی نعمتیں تم پر بے حساب انڈ یلے گا) اور دولت جوڑ جوڑ کے اور بند کر کے نہ رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تمہارے ساتھ یہی معاملہ کرے گا (کہ رحمت اور برکت کے دروازے تم پر خدانخواستہ بند ہو جائیں گے) لہٰذا تھوڑا بہت جو کچھ ہو سکے اور جس کی توفیق ملے راہِ خدا میں کشادہ دستی سے دیتی رہو۔"

اعمالِ خیر سے منسوب جنت کے دروازے

وعنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ مَنْ اَنْفَقَ زَوْجَیْنِ مِنْ شَیْءٍ مِنَ الْاَشْیَاءِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ دُعِیَ مِنْ اَبْوَابِ الْجَنَّۃِ وَلِلْجَنَّۃِ اَبْوَابٌ فَمَنْ کَانَ مِنْ اَھْلِ الصَّلٰوۃِ دُعِیَ مِنْ بَابِ الصَّلٰوۃِ وَمَنْ کَانَ مِنْ اَھْلِ الْجِھَادِ دُعِیَ مِنْ بَابِ الْجِھَادِ وَمَنْ کَانَ مِنْ اَھْلِ الصَّدَقَۃِ دُعِیَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَۃِ وَمَنْ

كَانَ مِنْ اَهْلِ الصِّيَامِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الرَّيَّانِ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ مَا عَلىٰ مَنْ دُعِيَ مِنْ تِلْكَ الْاَبْوَابِ مِنْ ضَرُوْرَةٍ فَهَلْ يُدْعىٰ اَحَدٌ مِنْ تِلْكَ الْاَبْوَابِ كُلِّهَا قَالَ نَعَمْ وَاَرْجُوْا اَنْ تَكُوْنَ مِنْهُمْ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

''اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص (اپنی) چیزوں میں دوہری (دوگنی) چیز اللہ کی راہ میں (یعنی اس کی رضاء وخوشنودی کی خاطر) خرچ کردیگا تو اسے جنت کے دروازوں سے بلایا جائے گا، اور جنت کے کئی (یعنی آٹھ) دروازے ہیں، چنانچہ جو شخص اہل نماز (یعنی بہت زیادہ نماز پڑھنے والا) ہوگا اسے جنت کے ''باب الصلوۃ'' (نماز کے دروازہ) سے بلایا جائے گا (جو اہل نماز ہی کیلئے مخصوص ہوگا اور اس سے کہا جائے گا کہ اے بندے! اس دروازہ کے ذریعہ جنت میں داخل ہوجاؤ) اور جو شخص جہاد کرنے والا (یعنی خدا کی راہ میں بہت زیادہ لڑنے والا) ہوگا اسے باب الجہاد (جہاد کے دروازہ) سے بلایا جائے گا۔ جو شخص صدقہ دینے والا (یعنی خدا کی راہ میں

بہت زیادہ اپنا مال خرچ کرنے والا) ہوگا اسے ''باب الصدقہ'' (یعنی صدقہ کے دروازہ) سے بلایا جائے گا۔اور جو شخص، (بہت زیادہ) روزے رکھنے والا ہوگا اسے ''باب الریان'' (یعنی باب الصیام سے کہ جنت میں روزہ کے دروازہ کا یہی نام ہے) بلایا جائے گا (یہ سن کر) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: ''(اگرچہ) جو شخص ان دروازوں میں سے کسی ایک دروازہ سے بھی بلایا جائے گا اس کو تمام دروازوں سے بلائے جانے کی ضرورت نہیں ہے (کیونکہ ایک دروازہ سے بلایا جانا بھی کافی ہوگا۔ بایں طور کہ مقصد تو جنت میں داخل ہونا ہوگا اور یہ ایک ہی دروازے سے بھی حاصل ہو جائے گا. پھر میں صرف علم کی خاطر جاننا چاہتا ہوں کہ) کیا کوئی ایسا (خوش نصیب و باسعادت) شخص بھی ہوگا، جسے ان تمام دروازوں سے بلایا جائے گا؟'' آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے فرمایا: ''ہاں اور مجھے امید ہے کہ تم انہیں لوگوں میں سے ہوگے (جنہیں تمام دروازوں سے بلایا جائے گا۔''

فائدہ

دوہری چیز مثلا دو درہم، دو روپے، دو غلام، دو گھوڑے اور یا دو کپڑے وغیرہ۔

دُعِیَ مِنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ.

(تو اسے جنت کے دروازوں سے بلایا جائے گا) کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص جس نے دنیا میں دوہری (دوگنی) چیزیں خدا کی راہ میں خرچ کی تھیں، جب جنت میں داخل ہونے جائے گا۔ تو جنت کے تمام دروازوں کے داروغہ اسے بلائیں گے اور ہر ایک کی یہ خواہش ہوگی کہ یہ خوش نصیب شخص اس کے دروازہ سے جنت میں داخل ہو، اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایک عمل ان اعمال کے برابر ہے جن کے سبب جنت کے تمام دروازوں میں داخل ہونے کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔

سب سے افضل صدقہ تندرستی کی حالت میں

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ رَجُلٌ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ الصَّدَقَةِ اَعْظَمُ اَجْرًا قَالَ اَنْ تَصَدَّقَ وَاَنْتَ صَحِیْحٌ شَحِیْحٌ تَخْشَی الْفَقْرَ وَتَامُلَ الْغِنیٰ وَلَا تُمْهِلْ حَتّٰی اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ قُلْتَ لِفُلَانٍ كَذَا وَلِفُلَانٍ كَذَا وَقَدْ كَانَ لِفُلَانٍ.

(رواہ البخاری و مسلم)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے
عرض کیا کہ: کس صدقہ کا ثواب زیادہ ہے؟ آپ نے
فرمایا کہ: زیادہ ثواب کی صورت یہ ہے کہ تم ایسی
حالت میں صدقہ کرو جبکہ تمہاری تندرستی قائم ہو اور
تمہارے اندر دولت کی چاہت اور اس کو اپنے پاس
رکھنے کی حرص ہو، اس حالت میں (راہِ خدا میں مال
خرچ کرنے سے) تمہیں محتاجی کا خطرہ ہو، اور دولت
مندی کی دل میں آرزو ہو (ایسے وقت میں اللہ کی رضا
کے لئے اپنا مال خرچ کرنا سچی خدا پرستی اور خدا طلبی کی
دلیل ہے اور ایسے صدقہ کا ثواب بہت بڑا ہے) اور
ایسا نہ ہونا چاہئے کہ تم سوچتے رہو اور ٹالتے رہو،
یہاں تک کہ جب موت کا وقت آجائے اور جان کھنچ
کے حلق میں آجائے تو تم مال کے بارے میں وصیت
کرنے لگو کہ اتنا فلاں کو اور اتنا فلاں کو حالانکہ اب تو
مال (تمہاری ملکیت سے نکل کر) فلاں فلاں کا (یعنی
وارثوں کا) ہو ہی جائے گا''

فائدہ

انسانوں کی یہ عام کمزوری ہے کہ جب تک وہ تندرست و توانا ہوتا

ہے تو وہ مال خرچ کرنے میں کنجوسی وبخل سے کام لیتا ہے، مال کی محبت اس کے اندر بھری ہوئی ہوتی ہے، دل مال کو نکالنے کی طرف راغب نہیں ہوتا، اور پھر جب آخری وقت آپہنچتا ہے تو پھر اللہ کے نام پر صدقہ وخیرات کی اسے سوجھتی ہے ایسے موقع کا صدقہ اللہ کے یہاں اتنی قیمت نہیں رکھتا جتنا کہ حالت صحت پر رکھتا ہے۔

مالِ حلال سے صدقہ کی فضیلت اور قبولیت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی الله تعالیٰ عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِنْ كَسْبٍ طَیِّبٍ وَلاَ یَقْبَلُ اللّٰهُ اِلاَّ الطَّیِّبَ فَاِنَّ اللّٰهَ یَتَقَبَّلُهَا بِیَمِیْنِهٖ ثُمَّ یُرَبِّیْهَا لِصَاحِبِهَا كَمَا یُرَبِّیْ اَحَدُكُمْ فَلُوَّهٗ حَتّٰی تَكُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ. مُتَّفِقٌ عَلَیْهِ.

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص کھجور برابر (خواہ صورت میں خواہ قیمت میں) حلال کمائی میں سے خرچ کرے (اور یہ جان لو) کہ اللہ تعالیٰ صرف مالِ حلال قبول کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اُسے اپنے داہنے ہاتھ سے قبول کرتا ہے اور پھر اُس

(صدقہ) کو صدقہ دینے والے کے لئے اسی طرح
پالتا ہے، جیسا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنا بچھڑا پالتا
ہے یہاں تک کہ وہ (صدقہ یا اس کا ثواب) پہاڑ کی
مانند ہو جاتا ہے۔"

فائدہ

"کسب" کے معنی ہیں جمع کرنا یہاں "کسب طیب" سے مراد وہ مال ہے جسے حلال ذریعوں سے جمع کیا جائے یعنی شرعی اصولوں کے تحت ہونے والی تجارت وصنعت، زراعت و ملازمت اور وراثت یا حصہ میں حاصل ہونے والا مال۔

" وَلاَ یقبل اللّٰہ الا الطیب "
(اللہ تعالیٰ صرف حلال مال قبول کرتا ہے)

میں اسی طرف اشارہ ہے کہ بارگاہِ خداوندی میں صرف وہی صدقہ قبول ہوتا ہے جو حلال مال کا ہو، غیر حلال مال قبول نہیں ہوتا نیز اس سے یہ نکتہ بھی پیدا ہوا کہ حلال مال اچھی اور نیک جگہ ہی خرچ ہوتا ہے۔

"اللہ تعالیٰ اسے اپنے داہنے ہاتھ سے قبول کرتا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی راہ میں خرچ کیا جانے والا حلال مال بارگاہِ خداوندی میں کمال قبولیت کو پہنچتا ہے اور اللہ تعالیٰ حلال مال خرچ کرنے والے سے بہت زیادہ خوش ہوتا ہے اسی مفہوم کو یہاں "داہنے سے لینے" سے اس لئے

محاورۃً اور عرفاً تعبیر کیا گیا ہے کہ پسندیدہ اور محبوب چیز داہنے ہی ہاتھ سے لی جاتی ہے۔"

"اُسے پالتا ہے" سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس صدقہ کے ثواب کو بڑھاتا جاتا ہے تاکہ وہ قیامت کے روز میزانِ عمل میں گراں بار ثابت ہو۔

حدیث بالا کی روشنی میں جو یہ نکتہ بیان کیا گیا ہے کہ حلال مال اچھی جگہ ہی خرچ ہوتا ہے" اس سلسلہ میں ایک سبق آموز حکایت سنئے۔

ایک سبق آموز حکایت

شیخ علی متقی عارف باللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک متقی و صالح شخص کسبِ معاش کرتے تھے اور ان کا معمول یہ تھا کہ جو کچھ کماتے پہلے تو اس میں سے ایک تہائی خدا کی راہ میں خرچ کر دیتے پھر ایک تہائی اپنی ضروریات پر صرف کرتے اور ایک تہائی اپنی کسب معاش کے ذریعہ یعنی کاروبار میں لگا دیتے۔

ایک دن ان کے پاس ایک دنیا دار شخص آیا اور کہنے لگا کہ شیخ! میں چاہتا ہوں کہ کچھ مال خدا کی راہ مں خرچ کروں، لہٰذا آپ مجھے کسی مستحق کا پتہ دیجئے انہوں نے کہا کہ "پہلے تو حلال مال حاصل کرو اور پھر اس سے خدا کی راہ میں خرچ کرو، وہ مستحق شخص ہی کے پاس پہنچے گا"۔

دنیا دار شخص نے اسے مبالغہ پر محمول کیا، شیخ نے کہا اچھا تم جاؤ تمہیں

جو شخص بھی ایسا ملے جس کے لئے تمہارے دل میں جذبہ ترحم پیدا ہو اسے صدقہ کا مال دے دینا۔

چنانچہ وہ شخص جب شیخ کے پاس سے اُٹھ کر آیا تو اس نے ایک بوڑھے اندھے کو دیکھا جس کے لئے اس کے دل میں جذبہ ترحم پیدا ہوا اور یہ سمجھ کر کہ صدقہ کے مال کا اس بے چارہ سے زیادہ کون مستحق ہوسکتا ہے؟ اپنے کمائے ہوئے مال میں سے اسے کچھ حصہ خیرات کر دیا۔ جب دوسرے دن وہ ضعیف و نابینا شخص کے پاس سے گزرا تو اس نے سنا کہ وہ اپنے پاس کھڑے ہوئے ایک دوسرے شخص سے کل کا واقعہ بیان کر رہا تھا کہ کل میرے پاس سے ایک مالدار شخص گزرا اس نے (مجھ پر ترس کھا کر) اتنا مال مجھے دیا جسے میں نے فلاں بدکار شخص کے ساتھ شراب نوشی میں لٹا دیا"۔

وہ دنیا دار یہ سنتے ہی شیخ رحمہ اللہ کے پاس آیا اور ان سے پورا ماجرا بیان کیا۔

شیخ نے یہ واقعہ سن کر اپنی کمائی میں سے ایک درہم اسے دیا اور کہا کہ اسے رکھو، اور یہاں سے نکلتے ہی سب سے پہلے تمہاری نظر جس پر پڑے اسے یہ درہم بطورِ خیرات دے دینا"۔ چنانچہ وہ شیخ کا دیا ہوا درہم لے کر گھر سے باہر نکلا تو اس کی نظر سب سے پہلے ایک اچھے خاصے شخص پر پڑی، جو بظاہر کھاتا پیتا معلوم ہو رہا تھا پہلے تو وہ دیتے ہوئے جھجکا مگر چونکہ شیخ کا حکم تھا اس لئے اس نے مجبوراً وہ درہم اس شخص کو دے دیا۔

اس شخص نے وہ درہم لے لیا، اور اپنے پیچھے کی طرف مڑ کر چل دیا، اس کے ساتھ ساتھ وہ مالدار بھی چلا، اس نے دیکھا کہ وہ شخص ایک کھنڈر میں داخل ہوا اور وہاں سے دوسری طرف نکل کر شہر کی راہ پکڑی، مالدار بھی اس کے پیچھے کھنڈر میں داخل ہوا وہاں اسے کوئی چیز نظر نہ آئی البتہ اس نے ایک مرا ہوا کبوتر دیکھا وہ پھر اس شخص کے پیچھے پیچھے ہولیا، پھر اسے قسم دے کر پوچھا کہ بتاؤ تم کون ہو؟ اور کس حال میں ہو؟ اس نے کہا کہ میں ایک غریب انسان ہوں، میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں وہ بہت بھوکے تھے، جب مجھ سے ان کی بھوک کی شدت دیکھی نہ گئی اور انتہائی اضطراب و پریشانی کے عالم میں ان کے لئے کچھ انتظام کرنے کی خاطر گھر سے نکل کھڑا ہوا تو میں سرگرداں پھر رہا تھا کہ یہ مرا ہوا کبوتر مجھے نظر آیا مرتا کیا نہ کرتا؟ میں نے یہ کبوتر اٹھالیا اور اسے لیکر اپنے گھر کی طرف چلا تا کہ اس کے ذریعہ بھوک سے بلکتے بچوں کو کچھ تسکین دلاؤں، مگر جب خدا نے تمہارے ذریعہ یہ درہم مجھے عنایت فرمادیا تو یہ کبوتر جہاں سے اٹھایا تھا وہیں پھینک دیا۔

اب اس مالدار کی آنکھ کھلی اور اسے معلوم ہوا کہ شیخ کا وہ قول مبالغہ پر محمول نہیں تھا۔ بلکہ حقیقت یہی ہے کہ حلال مال اچھی جگہ اور حرام بری جگہ خرچ ہوتا ہے۔

موت کے وقت خیرات کرنے والے کی مثال

وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ
مَثَلُ الَّذِیْ یَتَصَدَّقُ عِنْدَمَوْتِہٖ اَوْیُعْتِقُ کَالَّذِیْ
یُھْدِیْ اِذَا شَبِعَ . رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالنِّسَاءِیُّ

اور حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے فرمایا: ''اس شخص کی مثال جو اپنی موت کے وقت خیرات کرتا ہے یا (غلام) آزاد کرتا ہے اس شخص کی مانند ہے جو کسی کو ایسے وقت تحفہ (یعنی کھانا) بھیجتا ہے جبکہ اس کا پیٹ بھر چکا ہوتا ہے''۔ (ترمذیؒ، نسائیؒ، دارمیؒ، اور امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے)۔

فائدہ

اس ارشاد گرامی کا مفہوم بھی یہی ہے کہ مرتے وقت خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنا یا غلام کو آزاد کرنا کم ثواب کا باعث ہوتا ہے جس طرح کہ کسی ضرورتمند کو ایسے وقت کھانا دینا کم ثواب کا باعث ہوتا ہے جبکہ اس کا پیٹ بھر چکا ہو، لہٰذا جس طرح کسی شخص کو اس کی بھوک کی حالت میں کھانا کھلانا یا اس کے ساتھ سخاوت کرنا زیادہ افضل اور زیادہ ثواب کا باعث ہے

اسی طرح صحت وتندرستی کی حالت میں اپنا مال خدا کی خوشنودی میں خرچ کرنا یا غلام کو آزاد کرنا زیادہ افضل اور زیادہ ثواب کا کام ہے۔

صدقہ کا ثواب چند در چند ہے

وعن اَبِیْ اُمَامَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ اَبُوْذَرٍّ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمْ اَرَاَیْتَ الصَّدَقَۃَ مَاذَا ھِیَ قَالَ اَضْعَافٌ مُضَاعَفَۃٌ و عِنْدَ اللّٰہِ الْمَزِیْدُ رَوَاہُ اَحْمَدُ.

''اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم مجھے بتایئے کہ صدقہ کا ثواب کتنا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: اس کا ثواب چند در چند (یعنی کئی کئی گنا) ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ ہے۔''

فائدہ

احادیث سے چند در چند کی مقدار دس گنا سے سات سو گنا تک معلوم ہوتی ہے، بلکہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے اور اس کی رحمتِ خاص شامل حال ہو تو ثواب کی مقدار سات سو گنا سے بھی زیادہ ہو سکتی ہے، جیسا کہ خود باری

تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ

''جس کے لئے اللہ چاہتا ہے اس کا ثواب (لاتعداد)

بڑھاتا ہے۔''

کشادہ دستی سے راہ خدا میں صرف نہ کرنیوالے خسارے میں

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رضی الله عنه قَالَ انْتَهَیْتُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَهُوَ جَالِسٌ فِیْ ظِلِّ الْكَعْبَةِ فَلَمَّا رَاٰنِیْ قَالَ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ فَقُلْتُ فِدَاكَ اَبِیْ وَاُمِّیْ مَنْ هُمْ قَالَ هُمُ الْاَكْثَرُوْنَ اَمْوَالاً اِلَّا مَنْ قَالَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ وَعَنْ یَمِیْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ وَقَلِیْلٌ مَّاهُمْ . (رواه البخاری و مسلم)

''حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کعبہ کے سائے میں اوراس کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے، آپؐ نے جب مجھے دیکھا تو فرمایا: رب کعبہ کی قسم وہ

لوگ بڑے خسارے میں ہیں ؟ میں نے عرض کیا:
میرے ماں باپ آپ پر قربان کون لوگ ہیں جو
بڑے خسارے میں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے فرمایا: وہ لوگ جو بڑے دولت منداور سرمایہ دار
ہیں، ان میں سے وہی لوگ خسارے سے محفوظ ہیں جو
اپنے آگے پیچھے اور دائیں بائیں (ہر طرف خیر کے
مصارف میں) اپنی دولت کشادہ دستی کے ساتھ صرف
کرتے ہیں، مگر دولت مندوں اور سرمایہ داروں میں
ایسے بندے بہت کم ہیں۔"

فائدہ

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقر کی زندگی اختیار کر رکھی تھی اوران کے مزاج اور طبیعت کے لحاظ سے یہی ان کے لئے بہتر تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جب وہ حاضر ہوئے تو آپ نے ان کے اطمینان خاطر کے لئے بیان فرمایا کہ: دولت مندی اور سرمایہ داری جو بظاہر بڑی نعمت ہے دراصل کڑی آزمائش بھی ہے، اور صرف وہی بندے اس میں کامیاب ہوسکتے ہیں جو اس سے دل نہ لگائیں اور پوری کشادہ دستی کے ساتھ دولت کو خیر کے مصارف میں خرچ کریں، جو ایسا نہ کریں گے وہ انجام کار بڑے خسارے میں رہیں گے۔

بخیل عابد پر جاہل سخی کی فضیلت

وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ السَّخِیُّ قَرِیْبٌ مِنَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِنَ الْجَنَّۃِ قَرِیْبٌ مِنَ النَّاسِ بَعِیْدٌ مِنَ النَّارِ وَالْبَخِیْلُ بَعِیْدٌ مِنَ اللّٰہِ بَعِیْدٌ مِنَ الْجَنَّۃِ بَعِیْدٌ مِنَ النَّاسِ قَرِیْبٌ مِنَ النَّارِ وَلَجَاھِلٌ سَخِیٌّ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ عَابِدٍ بَخِیْلٍ. رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: سخی اللہ کی رحمت کے نزدیک ہے، بہشت کے قریب ہے، لوگوں کے قریب ہے (یعنی سب ہی اُسے عزیز دوست رکھتے ہیں) اور آگ سے دور ہے مگر بخیل (جو کہ اپنے اوپر واجب حقوق کی بھی ادائیگی نہ کرے) اللہ کی رحمت سے دور ہے، بہشت سے دور ہے لوگوں سے دور ہے اور آگ سے نزدیک ہے، بلا شک اللہ کے نزدیک عابد بخیل سے جاہل سخی بہت پیارا ہے''۔

فائدہ

جاہل سخی سے عابد کی ضد یعنی وہ سخی مراد ہے جو فرائض تو ادا کرتا ہے

مگر نوافل کا پابند نہ ہو اسی طرح عابد بخیل سے مراد وہ بخیل ہے جو نوافل بہت زیادہ ادا کرتا ہو خواہ وہ عالم ہو یا عالم نہ ہو۔

صدقہ دینے والے اور نہ دینے والے کی مثال

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْبَخِیْلِ وَالْمُتَصَدِّقِ كَمَثَلِ الرَّجُلَیْنِ عَلَیْهِمَا جُنَّتَانِ مِنْ حَدِیْدٍ قَدِاضْطُرَّتْ اَیْدِیْهِمَا اِلٰی ثُدِیِّهِمَا وَتَرَاقِیْهِمَا فَجَعَلَ الْمُتَصَدِّقُ كُلَّمَا تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ انْبَسَطَتْ عَنْهُ وَجَعَلَ الْبَخِیْلُ كُلَّمَا هَمَّ بِصَدَقَةٍ قَلَصَتْ وَاَخَذَتْ كُلُّ حَلْقَةٍ بِمَكَانِهَا. مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ.

”اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”بخیل اور صدقہ دینے والے کی مثال ایسے دو شخصوں کی سی ہے جن کے جسم پر لوہے کی زرہیں ہوں اور (اُن زرہوں کے تنگ ہونے کی وجہ سے) ان دونوں کے ہاتھ ان کی چھاتیوں اور گردن کی (ہنسلی کی) طرف چمٹے ہوئے ہوں چنانچہ جب صدقہ دینے والا صدقہ دینے کا قصد کرتا ہے تو اس کی زرہ کھل جاتی ہے اور جب

بخیل صدقہ صدقہ دینے کا قصد کرتا ہے تو اس کی زرہ
کے حلقے اور تنگ ہو جاتے ہیں اور اپنی جگہ پر ایک
دوسرے سے مل جاتے ہیں''۔

فائدہ

اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ سخی انسان جب خدا کی خوشنودی کے لئے اپنا مال خرچ کرنے کا قصد کرتا ہے تو اس جذبہ صادق کی بنا پر اس کا سینہ کشادہ ہوتا ہے اور اس کے ہاتھ اس کے قلب و احساسات کے تابع ہوتے ہیں بایں طور کہ وہ مال خرچ کرنے کے لئے دراز ہوتے ہیں اس کے برخلاف ایسے مواقع پر بخیل انسان کا سینہ تنگ ہوتا ہے اور اس کے ہاتھ سمٹ جاتے ہیں۔

اس مثال کا حاصل یہ ہے کہ جب سخی انسان خیر و بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو توفیقِ الٰہی اس کے شامل حال ہوتی ہے بایں طور کہ اس کے لئے خیر و بھلائی اور نیکی کا راستہ آسان کر دیا جاتا ہے، اور بخیل کے لئے نیکی و بھلائی کا راستہ دشوار گذار ہو جاتا ہے۔

اہل و عیال کی ضروریات پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے

عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قَالَ
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

اِذَا اَنْفَقَ الْمُسْلِمُ نَفَقَةً عَلٰى اَهْلِهٖ وَهُوَ
يَحْتَسِبُهَا كَانَتْ لَهٗ صَدَقَةً .

(رواه البخاری و مسلم)

''حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی صاحب ایمان بندہ اپنے اہل وعیال پر ثواب کی نیت سے خرچ کرے تو وہ اس کے حق میں صدقہ ہوگا (اور وہ عنداللہ ثواب کا مستحق ہوگا)۔''

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَیُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ؟ قَالَ جُهْدُ الْمُقِلِّ وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ. (رواه ابو داؤد)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ والہ وسلم کونسا صدقہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: ''وہ صدقہ افضل ترین صدقہ وہ ہے جو غریب آدمی اپنی محنت کی کمائی سے کرے اور پہلے ان پر خرچ کرو جن کے تم ذمہ دار ہو (یعنی اپنے بیوی بچوں پر)۔''

فائدہ

اپنے اہل وعیال کی ضروریات پر اپنی اپنی حیثیت کے مطابق کم و بیش خرچ تو سب ہی کرتے ہیں لیکن اس خرچ کرنے سے لوگوں کو وہ روحانی خوشی حاصل نہیں ہوتی جو اللہ کے نیک بندوں کو دوسرے ضرورت مندوں اور مساکین وفقراء پر صدقہ کرنے سے ہوتی ہے، کیونکہ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنے کو لوگ کارِ ثواب نہیں سمجھتے، بلکہ اس کو مجبوری کا ایک تاوان، یا نفس کا ایک تقاضا سمجھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بتایا کہ اپنے اہل وعیال اور اعزہ و اقارب پر بھی لوجہ اللہ اور ثواب کی نیت سے خرچ کرنا چاہیے، اس صورت میں جو خرچ اس مد میں ہوگا وہ سب صدقہ کی طرح آخرت کے بینک میں جمع ہوگا، بلکہ دوسرے لوگوں پر صدقہ کرنے سے زیادہ اس کا ثواب ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اس تعلیم سے ہمارے لئے خیر وسعادت کا ایک بہت بڑا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اب ہم جو کچھ اپنے بیوی بچوں کے کھانے کپڑے پر حتیٰ کہ ان کے جوتوں پر جائز حدود میں خرچ کریں وہ ایک طرح کا "صدقہ" اور کارِ ثواب ہوگا۔

مال خرچ کرنے کی ترتیب

وعن ابی هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ

فَقَالَ عِنْدِیْ دِیْنَارٌ قَالَ اَنْفِقْهُ عَلٰی نَفْسِکَ قَالَ عِنْدِیْ اٰخَرُ قَالَ اَنْفِقْهُ عَلٰی وَلَدِکَ قَالَ عِنْدِیْ اٰخَرُ قَالَ اَنْفِقْهُ عَلٰی اَهْلِکَ قَالَ عِنْدِیْ اٰخَرُ قَالَ اَنْفِقْهُ عَلٰی خَادِمِکَ قَالَ عِنْدِیْ اٰخَرُ قَالَ اَنْتَ اَعْلَمُ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِیُّ

اور حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ (یارسول اللہ!) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس ایک دینار ہے (جسے میں خرچ کرنا چاہتا ہوں سو اسے کہاں خرچ کروں؟'') آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے اپنی ضرورتوں پر خرچ کرو، اس نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک اور دینار ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسے اپنی اولاد پر خرچ کرو'' اس نے عرض کیا: ''میرے پاس ایک اور دینار ہے'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اُسے اپنے اہل (یعنی بیوی ماں باپ اور دوسرے اقرباء) پر خرچ کرو''۔ اس نے کہا کہ: ''میرے پاس ایک اور دینار ہے''۔

فرمایا کہ: ''اسے اپنے خادم پر خرچ کرو''۔ پھر اس
نے کہا کہ ''میرے پاس ایک اور دینار ہے''۔ فرمایا
کہ ''اب تم اس بارے میں زیادہ جان سکتے ہو؟''
(یعنی اب اس کے بعد کے مستحق کو تم ہی بہتر جان
سکتے ہو جسے اس کا مستحق سمجھو اُسے دے دو۔)

اہلِ قرابت پر صدقہ کی خاص فضیلت

عَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ عَامِرٍ رضی الله عنه قَالَ
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ
الصَّدَقَةُ عَلَی الْمِسْكِیْنِ صَدَقَةٌ وَهِیَ عَلٰی
ذِی الرَّحْمِ ثِنْتَانِ صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ.
رواه احمد و الترمذی

''سلیمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: کسی
اجنبی مسکین کو اللہ کے لئے کچھ دینا صرف صدقہ ہے
اور اپنے کسی عزیز قریب (ضرورت مند) کو اللہ کے
لئے کچھ دینے میں دو پہلو ہیں اور دو طرح کا ثواب
ہے، ایک یہ کہ وہ صدقہ ہے اور دوسرے یہ کہ وہ صلہ
رحمی ہے، (یعنی حق قرابت کی ادائیگی ہے) جو بجائے
خود بڑی نیکی ہے۔''

وَعن مَيْمُوْنَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ رضى الله عنه
اَنَّهَا وَلِيْدَةً فِىْ زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ ذَالِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَوْ اَعْطَيْتَهَا
اَخْوَالَكِ كَانَ اَعْظَمَ لِاَجْرِكِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

''اور ام المؤمنین حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت حارث کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے (ایک مرتبہ) رسول کریم صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کے زمانہ میں ایک لونڈی آزاد کی اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اگر تم وہ لونڈی اپنے ماموں کو دے دیتیں تو تمہیں بہت زیادہ ثواب ملتا''۔

فائدہ

مطلب یہ ہے کہ تمہارے ماموں کو چونکہ ایک خدمتگار کی ضرورت تھی اس لئے اگر تم وہ لونڈی انہیں دے دیتیں تو تمہیں صدقہ کا ثواب تو ملتا ہی اس کے ساتھ ہی صلہ رحمی کا ثواب بھی ملتا۔

صدقہ میں اچھی اور پسندیدہ چیزیں دیجائیں

عَنْ اَنَسٍ رضى الله عنه قَالَ كَانَ اَبُوْطَلْحَةَ

اَكْثَرَ الْاَنْصَارِ بِالْمَدِيْنَةِ مَالاً مِنْ نَخْلٍ وَكَانَ
اَحَبَّ اَمْوَالِهٖ اِلَيْهِ بَيْرُ حَآءَ وَكَانَتْ مُسْتَقْبِلَةَ
الْمَسْجِدِ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ يَدْخُلُهَا وَيَشْرَبُ مِنْ مَاءٍ فِيْهَا
طَيِّبٍ قَالَ اَنَسٌ فَلَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ لَنْ
تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْ مِمَّا تُحِبُّوْنَ. قَامَ
اَبُوْطَلْحَةَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى
يَقُوْلُ لَنْتَنَالُوْا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ.
وَاِنَّ اَحَبَّ مَالِيْ اِلَيَّ بَيْرُ حَاءَ وَاِنَّهَا صَدَقَةٌ
لِلّٰهِ تَعَالٰى اَرْجُوْ بِرَّهَا وَذُخْرَهَا عِنْدَ اللّٰهِ
فَضَعْهَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ حَيْثُ اَرَاكَ اللّٰهُ فَقَالَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَسَمَهَا اَبُوْطَلْحَةَ فِيْ اَقَارِبِه
وَبَنِيْ عَمِّهٖ. (رواه البخاری و مسلم)

''حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کھجور کے باغات کے لحاظ سے مدینہ کے انصار میں سب سے زیادہ دولت مند حضرت ابوطلحہ انصاری تھے اور انہیں اپنے باغات اور جائدادوں میں سب سے زیادہ محبوب '' بئر روحاء '' تھا یہ ان کے ایک قیمتی

باغ کا نام تھا، اور یہ مسجد نبوی کے بالکل سامنے تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس میں تشریف لے جایا کرتے تھے اور اس کا نفیس پانی (شوق سے) نوش فرماتے تھے۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ

(نیکی اور مقبولیت کا مقام تم کو اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنی محبوب چیزوں کو تم راہ خدا میں خرچ نہ کرو) تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ

اور مجھے اپنی ساری مالیات میں سب سے زیادہ محبوب بئر روحاء ہے، اس لئے اب وہی میری طرف سے اللہ کے لئے صدقہ ہے، مجھے اس پر امید ہے کہ آخرت میں مجھے اس کا ثواب ملے گا، اور وہ میرے لئے ذخیرہ ہوگا، لہٰذا آپ اس کے بارے میں وہ فیصلہ فرمادیں جو اللہ تعالیٰ آپ کے ذہن میں ڈالے (یعنی جو مصرف اس کا مناسب سمجھیں معین فرمادیں) رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: واہ واہ! یہ تو بڑی نفع مند
اور کار آمد جائداد ہے، میں نے تمہاری بات سن لی (
اور تمہارا منشاء سمجھ لیا) میں مناسب سمجھتا ہوں کہ تم اس
کو اپنے ضرورت مند قریبی رشتہ داروں میں تقسیم
کردو۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:
یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں یہی کروں گا،
چنانچہ انہوں نے وہ باغ اپنے قریبی رشتہ داروں اور
چچازاد بھائیوں میں تقسیم کردیا۔"

فائدہ

بعض روایات میں تفصیل کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا باغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کے مطابق اپنے خاص اقارب اُبَیّ بن کعبؓ، نعمان بن ثابتؓ، شداد بن اوسؓ اور عبیط بن جابر رضی اللہ عنہم پر تقسیم کردیا تھا۔

یہ باغ کس قدر قیمتی تھا اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ بعد میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف حضرت نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حصہ ایک لاکھ درہم میں خریدا تھا۔

جوراہِ خدا میں خرچ کردیا جائے وہی باقی اور کام آنے والا ہے

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اَنَّهُمْ

ذَبَحُوْا شَاةً فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ مَابَقِيَ مِنْهَا؟ قَالَتْ مَابَقِيَ مِنْهَا اِلَّا كَتِفُهَا قَالَ بَقِيَ مِنْهَا غَيْرُ كَتِفِهَا.

(رواہ الترمذی)

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک بکری ذبح کی گئی (اور اس کا گوشت اللہ کے لیے تقسیم کردیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور) آپ نے دریافت فرمایا کہ: بکری میں سے کیا باقی رہا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ: صرف ایک دست اس کی باقی رہ گئی ہے (باقی سب ختم ہوگیا) آپ نے فرمایا کہ: اس دست کے علاوہ جو اللہ کے لئے تقسیم کردیا گیا دراصل وہی سب باقی ہے اور کام آنے والا ہے۔ (یعنی آخرت میں انشاء اللہ اس کا اجر ملے گا)۔''

صدقہ کرنے سے مال میں کمی نہیں آتی بلکہ برکت ہوتی ہے

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَانَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ وَمَازَادَ اللّٰهُ بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا وَّمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ: صدقہ سے مال میں کمی نہیں آتی (بلکہ اضافہ ہوتا ہے) اور قصور معاف کر دینے سے آدمی نیچا نہیں ہوتا بلکہ اللہ اس کو سر بلند کر دیتا ہے اور اس کی عزت میں اضافہ ہو جاتا ہے اور جو بندہ اللہ کے لئے فروتنی اور خاکساری کا رویہ اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو رفعت اور بالاتری بخشے گا۔

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رضي الله عنه قَالَ قَالَ اَبُوْذَرٍّ رضي الله عنه یَا نَبِیَّ اللّٰهِ اَرَاَیْتَ الصَّدَقَةَ مَاهِیَ قَالَ اَضْعَافٌ مُضَاعَفَةٌ وَعِنْدَ اللّٰهِ الْمَزِیْدُ. (رواه احمد)

”حضرت ابوامامہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے عرض کیا کہ: حضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم! بتائیے کہ صدقہ کیا ہے؟ (یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اس کا کیا اجر ملنے والا ہے)۔ آپؐ نے فرمایا کہ: چند در چند (یعنی جتنا کوئی اللہ کی راہ میں صدقہ کرے اس کا کئی گنا اس کو ملے گا) اور اللہ کے ہاں بہت ہے۔“

فائدہ

مطلب یہ ہے کہ جو اللہ کی راہ میں جتنا صدقہ کرے گا اس کو اس کا کئی گنا اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔ دوسرے بعض احادیث میں دس گنے سے سات سو گنے تک کا ذکر ہے اور یہ بھی آخری حد نہیں ہے اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اس سے بھی زیادہ عطا فرمائے گا۔

"وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ"

"اس کا خزانہ لا انتہا ہے۔"

بعض حضرات نے اس حدیث کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ صدقہ کے عوض میں کئی گنا تو اللہ تعالیٰ اسی دنیا میں عطا فرماتا ہے، اور اس کا صلہ جو آخرت میں عطا فرمایا جائے گا وہ اس سے بہت زیادہ ہوگا۔

اللہ کے بندوں کا یہ عمل تجربہ ہے کہ اللہ پر یقین اور اعتماد کرتے ہوئے وہ اخلاص کے ساتھ جتنا اس کی راہ میں اس کے بندوں پر صرف کرتے ہیں اس کا کئی گنا اللہ تعالیٰ ان کو اس دنیا ہی میں عطا فرمادیتا ہے، ہاں اخلاص اور یقین شرط ہے۔

صدقہ کرنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یقین وتوکل

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی الله تعالیٰ عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ لَوْكَانَ لِیْ مِثْلُ اُحُدٍ ذَهَبًا لَسَرَّنِیْ اَنْ لَا يَمُرَّ

عَلَیَّ ثَلٰثُ لَیَالٍ وَعِنْدِیْ مِنْهُ شَیْءٌ اِلَّا شَیْءٌ اَرْصُدُهٗ لِدَیْنٍ . (رواه البخاری)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہوتو میرے لئے بڑی خوشی کی بات یہ ہوگی کہ تین راتیں گزرنے سے پہلے اس کو راہِ خدا میں خرچ کردوں اور میرے پاس اس میں سے کچھ بھی باقی نہ رہے سوائے اس کے کہ میں قرض ادا کرنے کے لئے اس میں سے کچھ بچالوں۔''

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی الله تعالیٰ عنه اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰی بِلَالٍ وَعِنْدَهٗ صُبْرَةٌ مِنْ تَمْرٍ فَقَالَ مَاهٰذَا یَابِلَالُ ؟ قَالَ شَیْءٌ اِدَّخَرْتُهٗ لِغَدٍ فَقَالَ اَمَاتَخْشٰی اَنْ تَرٰی لَهٗ بُخَارًا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَنْفِقْ یَابِلَالُ وَلَاتَخْشَ مِنْ ذِی الْعَرْشِ اِقْلَالًا .

(رواه البیهقی فی شعب الایمان)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن حضرت بلال

کی قیام گاہ پر پہنچے اور دیکھا کہ ان کے پاس چھواروں
کا ایک ڈھیر ہے، آپ نے فرمایا: بلال یہ کیا ہے؟
انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اس کو آئندہ کے لئے
ذخیرہ بنایا ہے (تاکہ مستقبل میں روزی کی طرف سے
ایک گونہ اطمینان رہے)۔ آپ نے فرمایا: بلال!
کیا تمہیں اس کا ڈر نہیں ہے کہ کل قیامت کے دن
آتش دوزخ میں تم اس کی تپش اور سوزش دیکھو، اے
بلال! جو ہاتھ میں آئے اس کو اپنے پر اور دوسروں پر
خرچ کرتے رہو اور عرشِ عظیم کے مالک سے قلت کا
خوف نہ کرو (یعنی یقین رکھو کہ جس طرح اس نے یہ دیا
ہے آئندہ بھی اسی طرح عطا فرماتا رہے گا، اس کے
خزانہ میں کیا کمی ہے، اس لئے کل کے لئے ذخیرہ
رکھنے کی فکر نہ کرو)۔"

فائدہ

حضرت بلال رضی اللہ عنہ اصحابِ صفہ میں سے تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والی متوکلانہ زندگی کا طریقہ اپنایا تھا ان کے لئے مستقبل کے واسطے غذا کا ذخیرہ کرنا بھی مناسب نہ تھا، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو یہ ہدایت فرمائی، اگرچہ عام لوگوں کے

لئے یہ بات بالکل جائز ہے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے بعض صحابہ کو بھی اس سے روکا تھا کہ وہ اپنا سارا مال راہِ خدا میں خرچ کر دیں اور گھر والوں کے لئے کچھ نہ رکھیں، لیکن صحابہ میں سے جن حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور اصحابِ صفہ والی خالص توکل کی راہ اپنائی تھی ان کے لئے اس طرزِ عمل کی گنجائش نہ تھی، اس لئے آپ نے انہیں خرچ کرنے کا حکم دیا۔

صدقہ اللہ کے غصہ کو ٹھنڈا کرتا ہے

عَنْ اَنَسٍ رضی الله عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِيْتَةَ السُّوْءِ.

(رواہ الترمذی)

”حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ: صدقہ اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بری موت کو دفع کرتا ہے۔“

فائدہ

جس طرح دنیا کی مادی چیزوں جڑی بوٹیوں تک کے خواص اور اثرات ہوتے ہیں، اسی طرح انسانوں کے اچھے برے اعمال اور اخلاق

کے بھی خواص اور اثرات ہیں، جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ ہی معلوم ہوتے ہیں، اس حدیث میں صدقہ کی دو خاصیتیں بیان کی گئی ہیں: ایک یہ کہ اگر بندے کی کسی بڑی لغزش اور معصیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غضب اس کی طرف متوجہ ہو تو صدقہ اس غضب کو ٹھنڈا کر دیتا ہے اور اس کی وجہ سے بندہ بجائے اللہ کے غضب اور ناراضی کے اس کی رضا اور رحمت کا مستحق بن جاتا ہے اور دوسری خاصیت یہ ہے کہ وہ بری موت سے آدمی کو بچاتا ہے (یعنی صدقہ کی برکت سے اس کا خاتمہ اچھا ہوتا ہے) دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اس طرح کی موت سے بچاتا ہے جس کو دنیا میں بری موت سمجھا جاتا ہے۔ واللہ اعلم

قیامت کے دن صدقہ مومن کا سایہ ہوگا

وعن مَرْثَدِبْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رضی الله عنهما قَالَ حَدَّثَنِیْ بَعْضُ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ ظِلَّ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَدَقَتُهُ.

رَوَاهُ اَحْمَدُ.

''اور حضرت مرثد بن عبداللہ کہتے ہیں کہ آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہؓ نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا'' قیامت کے دن مومن کا سایہ اس کا صدقہ ہوگا۔''

فائدہ

جس طرح سائبان دھوپ کی گرمی اور تپش سے بچاتا ہے اسی طرح قیامت کے دن صدقہ، نجات اور آرام وراحت کا سبب ہوگا یا یہ کہ قیامت کے دن صدقہ کو یا اس کے ثواب کو سائبان کی شکل دے کر صدقہ دینے والے کے سر پر تان دیا جائے گا تاکہ وہ اس دن کی گرمی سے بچ جائے۔

بھوکے پیاسے جانوروں کوکھلانا پلانا بھی صدقہ ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ غُفِرَ لِاِمْرَاَةٍ مُوْمِسَةٍ مَرَّتْ بِکَلْبٍ عَلٰی رَاْسِ رَکِیٍّ یَلْهَثُ کَادَ یَقْتُلُهُ الْعَطَشُ فَنَزَعَتْ خُفَّهَا فَاَوْثَقَتْهُ بِخِمَارِهَا فَنَزَعَتْ لَهٗ مِنَ الْمَاءِ فَغُفِرَ لَهَا بِذَالِکَ قِیْلَ اِنَّ لَنَا فِی الْبَهَائِمِ اَجْرًا ؟ قَالَ

فِیْ کُلِّ ذَاتِ کَبِدٍ رَطْبَۃٍ اَجْرٌ .

(رواہ البخاری و مسلم)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بدچلن عورت اس عمل پر بخش دی گئی کہ وہ ایک کنوئیں کے پاس سے گزری اور اس نے دیکھا کہ ایک کتا زبان نکالے ہوئے ہے (اور اس کی حالت ایسی ہے کہ) گویا وہ پیاس سے مر ہی جائے گا (اس عورت کے دل میں ترس آیا وہاں پانی نکالنے کے لئے رسی ڈول کچھ موجود نہیں تھا) اس نے اپنا چمڑے کا موزہ پاؤں سے نکالا اور (کسی طرح اس کو) اپنی اوڑھنی سے باندھا اور (محنت مشقت کر کے) اسی کے ذریعہ کنوئیں سے پانی نکال کے اس کو پلایا، وہ عورت اپنے اسی عمل کی وجہ سے بخشدی گئی، کسی نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ! کیا جانوروں کے کھلانے پلانے میں بھی ثواب ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! ہر حساس جانور (جس کو بھوک پیاس کی تکلیف ہوتی ہو) اس کو کھلانے پلانے میں اجر و ثواب ہے۔''

عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَغْرِسُ غَرْسًا اَوْیَزْرَعُ زَرْعًا فَیَاْکُلُ مِنْہُ اِنْسَانٌ اَوْطَیْرٌ اَوْبَھِیْمَۃٌ اِلَّا کَانَتْ لَہٗ صَدَقَۃٌ. (رواہ البخاری و مسلم)

''حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے فرمایا کہ: جو مسلمان بندہ کوئی درخت لگائے یا کھیتی کرے تو اس درخت یا اُس کھیتی سے جو پھل اور جو دانہ کوئی انسان یا کوئی پرندہ یا کوئی چوپایہ کھائے گا وہ اس بندہ کے لئے صدقہ اور اجر و ثواب کا ذریعہ ہوگا۔''

عن اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الصَّدَقَۃِ اَنْ تُشْبِعَ کَبِدًا جَائِعًا. (رَوَاہُ الْبَیْہَقِیّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ.

''اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے فرمایا: ''ایک) بہترین صدقہ (یہ بھی) ہے کہ کسی جاندار کا جو بھوکا ہو پیٹ بھرا جائے۔''

فائدہ

مطلب یہ ہے کہ کوئی جاندار، خواہ مسلمان ہو، یا کافر اور خواہ جانور ہو اگر بھوکا ہے تو اس کو کھانا کھلانا ایک بہترین صدقہ ہے ہاں اس حکم سے وہ موذی جانور مستثنیٰ ہیں جن کو مار ڈالنے ہی کا حکم دیا گیا ہے یعنی سانپ وغیرہ کو کھلانا پلانا اچھا اور مناسب نہیں ہے۔

مرنے والوں کی طرف سے صدقہ

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہ قَالَتْ اِنَّ رَجُلاً قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وسلم اِنَّ اُمِّيْ اُفْتُلِتَتْ نَفْسُهَا وَاَظُنُّهَا لَوْتَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ فَهَلْ لَهَا اَجْرٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا ؟

قَالَ نَعَمْ. (رواہ البخاری و مسلم)

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ: میری والدہ کا بالکل اچانک اور دفعۃً انتقال ہوگیا اور میرا گمان ہے کہ اگر وہ موت واقع ہونے سے پہلے کچھ بول سکتیں تو وہ ضرور کچھ صدقہ کرتیں، تو اب اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اس کا ثواب ان کو پہنچ جائے

گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ہاں پہنچ جائے گا۔"

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ سَعْدَبْنَ عُبَادَۃَ تُوُفِّیَتْ اُمُّہٗ وَھُوَ غَائِبٌ عَنْھَا فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ اُمِّیْ تُوُفِّیَتْ وَاَنَا غَائِبٌ عَنْھَا اَیَنْفَعُھَا شَیْءٌ اَنْ تَصَدَّقْتُ بِہٖ عَنْھَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاِنِّیْ اُشْھِدُکَ اَنَّ حَائِطِیَ الْمِخْرَافَ صَدَقَۃٌ عَلَیْھَا۔ (رواہ البخاری)

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا انتقال ایسے وقت ہوا کہ خود سعد موجود نہیں تھے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں گئے ہوئے تھے، جب ان کی واپسی ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں انہوں نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ میری عدم موجودگی میں میری والدہ کا انتقال ہوگیا، تو اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں، تو کیا وہ ان کے لئے نفع مند ہوگا (اور ان کو اس کا ثواب پہنچے گا)؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں

پہنچے گا انہوں نے عرض کیا: تو میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنا باغ مخراف اپنی مرحومہ والدہ کے لئے صدقہ کردیا۔''

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَالِهٖ وسلم فَقَالَ اِنَّ اَبِیَ مَاتَ وَتَرَکَ مَالاً وَّلَمْ یُوْصِ فَهَلْ یُکَفِّرُ عَنْهُ اِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهُ؟ قَالَ نَعَمْ.

(رواہ ابن جریر فی تہذیب الآثار)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: حضرت میرے والد کا انتقال ہوگیا ہے اور انہوں نے ترکہ میں کچھ مال چھوڑا ہے اور (صدقہ وغیرہ کی) کوئی وصیت نہیں کی ہے، تو اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا میرا یہ صدقہ ان کے لئے کفارہ سیئات اور مغفرت ونجات کا ذریعہ بن جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: ہاں! (اللہ تعالیٰ سے اسی کی امید ہے)۔''

فائدہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان حدیثوں میں (اور ان

کے علاوہ بھی بہت سی حدیثوں میں جو کتب حدیث کے مختلف ابواب میں مروی ہیں) یہ بات صراحت کے ساتھ بیان فرمائی ہے کہ صدقہ وغیرہ جو قابل قبول نیک عمل کسی مرنے والے کی طرف سے کیا جائے یعنی اس کا ثواب اس کو پہنچایا جائے تو وہ اس کے لئے نفع مند ہوگا اور اس کو اس کا ثواب پہنچے گا۔

گویا جس طرح اس دنیا میں ایک آدمی اپنا کمایا ہوا پیسہ اللہ کے کسی دوسرے بندے کو دے کر اس کی خدمت اور مدد کر سکتا ہے اور وہ بندہ اس سے نفع اٹھا سکتا ہے اسی طرح اگر کوئی صاحب ایمان اپنے مرحوم ماں باپ یا کسی دوسرے مومن بندہ کی طرف سے صدقہ کر کے اس کو آخرت میں نفع پہنچانا اور اس کی خدمت کرنا چاہے تو مندرجہ بالا حدیثوں نے بتایا کہ ایسا ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ.

پس مرنے والوں کی خدمت اور ان کے ساتھ ہمدردی و احسان کا ایک طریقہ ان کے لئے دعا و استغفار کے علاوہ یہ بھی ہے کہ ان کی طرف سے صدقہ کیا جائے، یا اسی طرح ان کی طرف سے دوسرے اعمالِ خیر کر کے ان کو ثواب پہنچایا جائے۔

کتنا عظیم فضل و احسان ہے اللہ تعالیٰ کا کہ اس راستے سے ہم اپنے ماں باپ اور دوسرے عزیز و اقارب اور دوستوں محسنوں کی

خدمت ان کے مرنے کے بعد بھی کر سکتے ہیں، اور اپنے ہدیے اور تحفے ان کو برابر بھیج سکتے ہیں۔

ایصال ثواب کیلئے کنواں کھدوانا بہترین صدقہ ہے

وعن سَعْدِبْنِ عُبَادَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اُمَّ سَعْدٍ مَاتَتْ فَاَيُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ قَالَ الْمَاءُ فَحَفَرَ بِئْرًا وَقَالَ هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ. رَوَاهُ ....اَبُوْدَاوٗدَ وَالنِّسَائِيُّ.

"اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ (میں نے) رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ: "یارسول اللہ! ام سعد (یعنی میری ماں) کا انتقال ہو گیا ہے (ان کے ایصالِ ثواب کے لئے) کون سا صدقہ بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "پانی" چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر) کنواں کھودا اور کہا کہ یہ ام سعد (یعنی میری ماں) کے لئے صدقہ ہے"۔

فائدہ

یوں تو خدا نے جو بھی چیز پیدا کی ہے وہ بندہ کے حق میں خدا کی

نعمت ہے لیکن انسانی زندگی میں پانی کی جو اہمیت ہے اس کے پیش نظر بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ خدا کی ان بڑی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے جن کے بغیر انسانی زندگی کی بقاء ممکن نہیں پھر مخلوقِ خدا کے لئے اس کی ضرورت اتنی وسیع اور ہمہ گیر ہے کہ قدم قدم پر انسانی زندگی اس کے وجود اور اس کی فراہمی کی محتاج ہوتی ہے چنانچہ کیا دنیا اور کیا آخرت سب ہی امور کے لئے اس کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے خاص طور پر ان شہروں اور علاقوں میں پانی کی اہمیت کہیں زیادہ محسوس ہوتی ہے جو گرم ہوتے ہیں، جہاں پانی کی فراہمی آسانی سے نہیں ہوتی اسی لئے آں حضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ''پانی'' کو بہتر صدقہ ارشاد فرما کر اس طرف اشارہ فرما دیا ہے کہ پانی کے حصول کا ہر ذریعہ خواہ کنواں ہو یا نل وتالاب، بہترین صدقہٗ جاریہ ہے کہ جب تک وہ ذریعہ موجود رہتا ہے اس کو قائم کرنے والا خدا تعالیٰ کی رحمتوں سے نوازا جاتا ہے۔

کماؤ اور صدقہ وخیرات کرو

و عن اَبِیْ مُوْسیٰ الْاَشْعَرِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَۃٌ قَالُوْا فَاِنْ لَمْ یَجِدْ قَالَ فَلْیَعْمَلْ بِیَدَیْہِ فَیَنْفَعُ نَفْسَہٗ

وَيَصَدَّقُ قَالُوْا فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْهَا وَلَمْ يَفْعَلْ قَالَ فَيُعِيْنُ ذَاالْحَاجَةِ الْمَلْهُوْفَ قَالُوْا فَإِنْ لَّمْ يَفْعَلْهُ قَالَ فَيَأْمُرُ بِالْخَيْرِ قَالُوْا فَإِنْ لَّمْ يَفْعَلْ قَالَ فَيُمْسِكُ عَنِ الشَّرِّ فَإِنَّهُ لَهُ صَدَقَةٌ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

''اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے فرمایا: ''(نعمتِ الٰہی کے شکر کے پیش نظر) ہر مسلمان پر صدقہ لازم ہے'' صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ: ''اگر کسی کے پاس صدقہ کرنے کے لئے کچھ ہو ہی نہیں؟ (تو وہ کیا کرے) آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے فرمایا: ''ایسے شخص کو چاہئے کہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں کے ذریعہ مال و زر کمائے اور (اس طرح) اپنی ذات کو (بھی) فائدہ پہنچائے او صدقہ و خیرات بھی کرے۔'' صحابہؓ نے کہا: ''اگر وہ اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو (کہ محنت مزدوری کر کے کما سکے یا کہا کہ: '' اگر وہ یہ بھی نہ کر سکتا ہو'' آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے فرمایا: ''اسے چاہیئے کہ وہ (جس طرح بھی

ہو سکے) غمگین و حاجتمند کی مدد کرے''۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: کہ اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے؟ آپؐ نے فرمایا: اسے چاہیئے کہ وہ (دوسروں کو) نیکی و بھلائی کی ہدایت کرے۔'' صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ: اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے؟ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: پھر اسے چاہئے کہ وہ (خود اپنے تئیں یا دوسروں کو) برائی (تکلیف) پہنچانے سے روکے اس کے لئے یہی صدقہ ہے (یعنی اسے صدقہ کا ثواب ملے گا)۔

فائدہ

''برائی پہنچانے'' سے مراد یہ ہے کہ نہ تو خود کسی کو اپنی زبان اور اپنے ہاتھوں سے تکلیف اور ایذا پہنچائے اور اگر اس کے امکان میں ہو تو ان لوگوں کو بھی روکے جو دوسروں کو ایذاء اور تکلیف پہنچاتے ہیں اسی مضمون کو کسی شاعر نے یوں ادا کیا ہے۔

ع: مرا بخیرِ تو امید نیست بدمرساں!

نفلی صدقہ کی چند اور صورتیں

عَن اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی الله عنه قَالَ قَالَ رَسُلُ

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ على كُلَّ يَوْمٍ
تَطْلُعُ فِيْهِ الشَّمْسُ يَعْدِلُ بَيْنَ الْاِثْنَيْنِ صَدَقَةٌ
وَيُعِيْنُ الرَّجُلَ عَلٰى دَابَّةٍ فَيَحْمِلُ عَلَيْهَا
اَوْيَرْفَعُ عَلَيْهَا مَتَاعَهٗ صَدَقَةٌ وَالْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ
صَدَقَةٌ وَكُلُّ خَطْوَةٍ يَخْطُوْهَا اِلَى الصَّلَاةِ
صَدَقَةٌ وَيُمِيْطُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ صَدَقَةٌ .
مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

''اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: انسان کے بدن میں جو مفاصل (جوڑ) ہیں ان پر (یعنی ان کی طرف سے) ہر روز صدقہ دینا لازم ہے اور دو آدمیوں کے درمیان عدل کرنا بھی صدقہ ہے کسی انسان کی اس طور پر مدد کرنا کہ اس کے جانور پر اسے سوار کرا دینا یا اس کا مال واسباب رکھوا دینا بھی صدقہ ہے، اچھی بات بھی صدقہ ہے، ہر وہ قدم جو نماز کے لئے رکھا جائے وہ بھی صدقہ ہے اور راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا بھی صدقہ ہے۔''

فائدہ

مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم میں جو مفاصل (

جوڑ) پیدا کئے ہیں اس میں بھی چوں کہ اس کی حکمتیں اور اس کی بے شمار نعمتیں پنہاں ہیں لہٰذا ان کے شکرانہ میں ہر روز انسان پر صدقہ لازم ہے۔

سائل کو واپس لوٹانے سے بہتر ہے کہ اسے کچھ نہ کچھ دے دیا جائے

وَعَنْ اُمِّ مُجَیْدٍ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ الْمِسْکِیْنَ لَیَقِفُ علیٰ بَابِیْ حَتّٰی اَسْتَحْیِیْ فَلَا اَجِدُ فِیْ بَیْتِیْ مَا اَدْفَعُ فِیْ یَدِہٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ ادْفَعِیْ فِیْ یَدِہٖ وَلَوْ ظِلْفًا مُحَرَّقًا . رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حسن صَحِیْحٌ.

"حضرت اُمِّ مُجَیْد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم جب کوئی سائل میرے دروازے پر کھڑا ہوتا ہے (اور مجھ سے کچھ مانگتا ہے) تو مجھے بڑی شرم محسوس ہوتی ہے کیونکہ میں اپنے گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں پاتی جو اس

کے ہاتھ میں دے دوں؟" رسول کریم صلی اللہ علیہ
والہٖ وسلم نے فرمایا کہ: اس کے ہاتھ میں کچھ نہ کچھ
دیدو خواہ وہ جلا ہوا کھر ہی کیوں نہ ہو"۔
(احمدؒ، ابوداؤدؒ، ترمذیؒ) اور امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے
کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"

فائدہ

آں حضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے صدقہ و خیرات کے بارے میں یہ حکم گویا بطور مبالغہ ارشاد فرمایا کہ سائل کو خالی ہاتھ واپس کرنے سے بہتر ہے کہ اس کے ہاتھ میں کچھ نہ کچھ ضرور دے دیا جائے خواہ وہ کتنی ہی حقیر اور کم تر چیز کیوں نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رضا کیلئے صدقہ کی توفیق عطا فرمائے، اور اس کے برکات ہمارے لئے مقدر فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

عشرۂ ذی الحجہ کے فضائل و احکام

افادات

پیر طریقت رہبر شریعت

حضرۃ مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تلمیذ رشید

شیخ الاسلام حضرۃ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز

مرشد الموحدین قطب الاقطاب حضرۃ مولانا حماد اللہ ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و تزئین

عاصم عبداللہ

کرمی دارالکتب کراچی
جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی 2 کراچی 75230
0333-2124384

عشرہ ذی الحجہ میں ذکر اللہ کی کثرت کیجئے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ :مَا مِنْ أَيَّامٍ أَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰہِ، وَلَا أَحَبُّ إِلَيْہِ الْعَمَلُ فِيهِنَّ مِنْ أَيَّامِ الْعَشْرِ، فَأَكْثِرُوا فِيهِنَّ مِنَ التَّسْبِيحِ، وَالتَّكْبِيرِ، وَالتَّهْلِيلِ.(الطبرانی)

"حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عشرہ ذی الحجہ سے زیادہ عظمت والا کوئی دن نہیں اور نہ ان دنوں کے عمل سے اور کسی دن کا عمل زیادہ محبوب ہے لہذا تم ان دنوں میں تسبیح و تہلیل اور تکبیر و تحمید کثرت سے کیا کرو۔"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدلله نحمده على ماانعم وعلمنا مالم
نعلم والصلوٰة على افضل الرسل واكرم .
وعلىٰ آله وصحبه وبارك وسلم. امابعد!
فاعوذ بالله من الشيطن الرجيم
بسم الله الرحمن الرحيم
والفجر وليال عشر والشفع والوتر والليل
اذايسر. (سورة الفجر ۱، ۴)

”قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی اور طاق کی
اور جفت کی“۔

آج کی نشست میں ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کی اہمیت فضیلت اور
پھر اعمال ذی الحجہ کے فضائل ومسائل پر گفتگو کرنی ہے۔

ذی الحجہ کا مہینہ بڑا محترم مہینہ ہے، احادیث مبارکہ میں ماہ ذی الحجہ کے شروع کے دس دن دین اسلام میں بڑی اہمیت کے دن ہیں اور اسکی راتیں بھی بڑی اہمیت کی حامل ہیں ،ان ایام میں عبادت ،ذکر واذکار اور تلاوت قرآن مجید کے خصوصی فضائل مذکور ہیں۔

عشرہ ذی الحجہ سے متعلق جو آیت مبارکہ میں نے خطبہ میں تلاوت کی ہے اکثر مفسرین نے ولیال عشر کے بارے میں لکھا ہے کہ اس سے مراد ذی الحجہ کی ابتدائی دس راتیں ہیں۔

مسند احمد میں روایت مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرمایا کہ "عشر" سے مراد عید الاضحیٰ کے دس دن ہیں، اور وتر سے مراد "عرفہ" کا دن ہے اور "شفع" سے قربانی کا دن مراد ہے،

عشرہ ذی الحجہ کی فضیلت واہمیت

جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے سات دنوں میں جمعہ کو، اور سال کے بارہ مہینوں میں رمضان المبارک کو، اور پھر رمضان کے تین عشروں میں عشرہ اخیرہ کو خاص فضیلت بخشی ہے، اسی طرح ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کو بھی

فضل و رحمت کا خاص عشرہ بتایا ہے۔ ان دنوں میں بندے کا نیک عمل اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے، اور اس کی بڑی قیمت ہے۔

عشرہ ذی الحجہ میں نیک اعمال کی فضیلت

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللّٰہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَیَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِیْھِنَّ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ ھٰذِہِ الْاَیَّامِ الْعَشْرِ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَلَا الْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ قَالَ وَلَا الْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِہٖ وَمَالِہٖ فَلَمْ یَرْجِعْ مِنْ ذٰلِکَ بِشَیْءٍ . رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ.

"اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "ایسا کوئی دن نہیں ہے جس میں نیک عمل کرنا خدا کے نزدیک ان دس دنوں (ذی الحجہ کے پہلے عشرہ) سے زیادہ محبوب ہو"۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا (ان ایام کے علاوہ دوسرے

دنوں میں) خدا کی راہ میں جہاد کرنا بھی (ان دنوں
کے نیک اعمال کے برابر) نہیں ہے فرمایا ہاں اس
شخص کا جہاد جو اپنی جان و مال کے ساتھ (خدا کی راہ
میں لڑنے) نکلا اور پھر واپس نہ ہوا (ان دنوں کے
نیک اعمال سے بھی زیادہ افضل ہے)۔"

فائدہ

اس حدیث مبارکہ میں ماہ ذی الحجہ کے ابتدائی دس دنوں کی بڑی اہمیت اور فضیلت بتلائی گئی ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان دس دنوں میں کیا ہوا نیک عمل اتنا محبوب اور پسندیدہ ہے کہ سال کے باقی دنوں کا کوئی عمل اتنا محبوب نہیں، سال کے تمام دنوں میں ان دس دنوں کے نیک اعمال سب سے زیادہ محبوب و مقبول ہیں، یہاں تک کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنا وہ بھی ان ایام کے اعمال کے برابر نہیں،

البتہ اگر جہاد ایسا ہو جس میں جان و مال سب خدا کی راہ میں قربان ہو جائے اور جہاد کرنے والا مرتبہ شہادت پا جائے تو وہ جہاد البتہ خدا کے نزدیک ان دس دنوں کے نیک اعمال سے بھی زیادہ محبوب ہے کیونکہ ثواب نفس کشی و مشقت کے بقدر ملتا ہے اور ظاہر ہے کہ خدا کی

رہ میں اپنی جان اور اپنا مال قربان کردینے سے زیادہ نفس کشی اور مشقت کیا ہوسکتی ہے......؟

چونکہ رمضان کے نیک اعمال کی بھی بہت زیادہ فضیلت و عظمت بیان کی گئی ہے اس لیے ہوسکتا ہے کہ اس حدیث کی مراد یہ ہو کہ ان دس دنوں کے نیک اعمال ایام رمضان کے نیک اعمال کے علاوہ دوسرے دنوں کے نیک اعمال سے زیادہ محبوب ہیں۔ یا یہ کہ رمضان کے نیک اعمال اس حیثیت سے سب سے زیادہ محبوب ہیں کہ ان دنوں میں فرض روزے رکھے جاتے ہیں۔ اور بہت زیادہ برگزیدہ ومقدس ترین شب یعنی لیلۃ القدر بھی رمضان ہی میں آتی ہے یا یہ کہ ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کے اعمال اس اعتبار سے سب سے زیادہ محبوب ہیں کہ بہت زیادہ برگزیدہ اور باعظمت وفضیلت والا دن یعنی ''عرفہ'' انہیں دنوں میں آتا ہے، اور افعال حج بھی انہیں ایام میں ادا ہوتے ہیں''۔

عشرہ ذی الحجہ کی ابتدائی دس راتوں کی فضیلت

یہ عشرہ جو یکم ذی الحجہ سے شروع ہوا، اور دس ذی الحجہ پر جس کی انتہا ہے، یہ سال کے بارہ مہینوں میں بڑی ممتاز حیثیت رکھتا ہے، اور پارہ عم میں یہ جو سورہ فجر کی ابتدائی آیات ہیں:

وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ.

اس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے دس راتوں کی قسم کھائی ہے، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہ قسمیں کھائی ہیں جن میں زیادہ تر اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی اور صرف سات مقام پر اپنی ذات کی قسم کھائی ہے۔

قسم تاکید کیلئے ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے قسمیں اس لئے کھائی ہیں کہ بندوں پر حجت پوری ہو جائے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ قرآن کریم چونکہ عربوں کی زبان پر نازل ہوا ہے اور عربوں کا طریقہ تھا کہ کوئی کلام اور بیان اس وقت تک فصیح و بلیغ نہیں سمجھا جاتا تھا جب تک کہ اس میں قسمیں نہ ہوں، اسی لئے قرآن پاک میں بھی قسم کھائی گئی ہیں کہ فصاحت عرب کی یہ قسم بھی رہنے نہ پائے۔

الغرض مخاطبین کو پختہ وثوق اور یقین دلانے کیلئے کلام کو قسم کیساتھ مشروع فرمایا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو کسی بات کا یقین دلانے کے لئے قطعاً قسم کھانے کی ضرورت نہیں، لیکن کسی چیز پہ اللہ تعالیٰ کا قسم کھانا اس چیز کی عزت و عظمت اور حرمت پہ دلالت کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ الفجر

میں جن راتوں کی قسم کھائی ہے، اس کے بارے میں مفسرین کی ایک بڑی جماعت نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد ذی الحجہ کی ابتدائی دس راتیں ہیں، اس سے ان دس راتوں کی عزت، عظمت اور حرمت کی نشاندہی ہوتی ہے۔

عشرہ ذی الحجہ کے ابتدائی دس دنوں کی فضیلت

اور خود نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ایک ارشاد میں واضح طور پر ان دس ایام کی اہمیت اور فضیلت بھی بیان فرمائی ہے۔ یہاں تک فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو عبادت کے اعمال کسی دوسرے دن میں اتنے محبوب نہیں ہیں جتنے ان دس دنوں میں محبوب ہیں۔ خواہ وہ عبادت نفلی نماز ہو، ذکر یا تسبیح ہو، یا صدقہ خیرات ہو۔ (صحیح بخاری، کتاب العیدین، باب فضل العمل فی ایام التشریق، حدیث ۹۶۹)

عشرہ ذی الحجہ میں ذکر اللہ کی کثرت کیجئے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنهما قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَا مِنْ أَيَّامٍ أَعْظَمُ عِنْدَ اللَّهِ، وَلا أَحَبُّ إِلَيْهِ الْعَمَلُ فِيهِنَّ مِنْ أَيَّامِ الْعَشْرِ، فَأَكْثِرُوا فِيهِنَّ مِنَ التَّسْبِيحِ، وَالتَّكْبِيرِ، وَالتَّهْلِيلِ۔(الطبرانی)

"حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ
رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک
عشرہ ذی الحجہ سے زیادہ عظمت والا کوئی دن نہیں اور نہ ان
دنوں کے عمل سے اور کسی دن کا عمل زیادہ محبوب ہے لہذا تم ان
دنوں میں تسبیح وتہلیل اور تکبیر وتحمید کثرت سے کیا کرو۔"

فائدہ

تسبیح تہلیل، تکبیر، اور تحمید دینی زبان کے خاص الفاظ ہیں۔
تسبیح سے سُبحان اللہ کہنا تہلیل سے لاالٰہ الااللہ کہنا، تکبیر سے اللہ اکبر کہنا، اور تحمید سے الحمدللہ کہنا مراد ہے، یہ بہت مبارک کلمات ہیں، احادیث میں ان کے بڑے فضائل آئے ہیں، ایک حدیث میں ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ سے فرمایا، کیا تم میں سے کوئی شخص ایسا ہے جو روزانہ اُحد پہاڑ کے برابر عمل کرلیا کرے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس کی کون طاقت رکھتا ہے (کہ اتنے بڑے پہاڑ کے برابر عمل کرے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر شخص طاقت رکھتا ہے، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا اس کی کیا صورت ہے؟ ارشاد فرمایا سبحان اللہ کا ثواب احد پہاڑ سے زیادہ ہے، لا الہ الا اللہ کا ثواب احد پہاڑ

سے زیادہ ہے، الحمد للہ کا ثواب احد پہاڑ سے زیادہ ہے اللہ اکبر کا ثواب احد پہاڑ سے زیادہ ہے، (مجمع الزوائد)

ایک دوسری حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سبحان اللہ سو مرتبہ پڑھا کرو، اس کا ثواب ایسا ہے جیسے تم نے سو عربی غلام آزاد کیئے اور الحمد للہ سو مرتبہ پڑھا کرو، اس کا ثواب ایسا ہے جیسے تم نے سو گھوڑے مع سامان وغیرہ جہاد میں سواری کے لئے دے دیئے ہیں۔ اور اللہ اکبر سو مرتبہ پڑھا کرو، یہ ایسا ہے جیسے تم نے سو اونٹ قربانی میں ذبح کیے اور وہ قبول ہو گئے اور لا الہ الا اللہ سو مرتبہ پڑھا کرو، اس کا ثواب ایسا کہ تمام آسمان و زمین کے درمیان کو بھر دیتا ہے اس سے بڑھ کر کسی کا کوئی عمل نہیں جو مقبول ہو۔

(رواہ احمد)

اس لئے ان مبارک ایام میں بہت ہی اہتمام سے ان مذکورہ کلمات کو بکثرت پڑھتے رہنا چاہیے اور استغفار و درود شریف کا خصوصی اہتمام کرنا چاہیے۔

عشرہ ذی الحجہ میں دن کو روزہ اور شب میں عبادت کی فضیلت

عن ابی هريرة رضی الله تعالىٰ عنه قال قال

رسول الله صلى الله عليه وسلم ما من ايام احب الى الله ان يتعبد له فيها من عشر ذى الحجة يعدل صيام كل يوم منها بصيام سنة وقيام كل ليلة منها بقيام ليلة القدر

(مجمع الزوائد)

''حضرت ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کوئی دن ایسا نہیں ہے جس میں عبادت اللہ تعالیٰ کے نزدیک عشرہ ذی الحجہ سے زیادہ پسند ہو، (کیونکہ) عشرہ ذی الحجہ میں سے ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے اور اس کی ہر رات کی عبادت شب قدر کی عبادت کے برابر ہے۔''

فائدہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ ارشاد سے بقرعید کے شروع کے دس دنوں کی کتنی عظیم الشان فضیلت معلوم ہوئی کہ اگر کوئی شخص ان دنوں میں ایک روزہ رکھے تو ایک سال کے روزے رکھنے کا ثواب ملے، دو روزے رکھے تو دو سال کے روزوں کے برابر ثواب ملے، اگر کوئی مردِ خدا اور آخرت کا حریص، دسویں تاریخ

کو چھوڑ کر باقی پورے نو دن کے روزے رکھ لے تو اس کو نو سال کے روزوں کے برابر ثواب ملے یہ تو دن کی فضیلت ہوئی اور شب کی فضیلت یوں سمجھنا چاہیے کہ اول تو رمضان المبارک میں شب قدر مل جانا کوئی یقینی نہیں، پھر مل جائے تو وہ صرف ایک ہی شب کی فضیلت ہے لیکن یہاں اس عشرے کی ہر شب میں جاگ کر ہر شخص شب قدر کی عبادت کا ثواب حاصل کر سکتا ہے اور شب قدر کا ثواب ہزار مہینوں سے بہتر بتلایا گیا ہے جن میں تقریباً تیس ہزار راتیں ہوتی ہیں تو گویا شب قدر میں عبادت کرنا تیس ہزار راتوں کی عبادت سے بہتر ہے، اب ان دس دنوں کی راتوں میں عبادت کر کے ہر شخص یہ ثواب عظیم حاصل کر سکتا ہے۔

وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون،

آخرت کی کمائی کرنے والے آئیں اور اپنے جوہر دکھلائیں۔

تنبیہ: یہ روزوں کی فضیلت نو دن کے روزوں کی ہے کیونکہ دسویں ذی الحجہ کا روزہ رکھنا حرام ہے۔

ذی الحجہ کی دو خاص عبادتیں

اور ان ایام کی اس سے بڑی اور کیا فضیلت ہوگی کہ وہ عبادتیں جو سال بھر کے دوسرے ایام میں انجام نہیں دی جا سکتیں۔ ان کی انجام

دہی کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسی زمانے کو منتخب فرمایا ہے، ایک حج دوسری قربانی۔

یہ دونوں ایسی عبادت ہے جو ان ایام کے علاوہ دوسرے ایام میں انجام نہیں دی جاسکتی۔ دوسری عبادتوں کا یہ حال ہے کہ انسان فرائض کے علاوہ جب چاہے نفلی عبادت کر سکتا ہے۔ مثلاً نماز پانچ وقت کی فرض ہے، لیکن انکے علاوہ جب چاہے نفلی نماز پڑھنے کی اجازت ہے، رمضان میں روزہ فرض ہے، لیکن نفلی روزہ جب چاہے رکھیں۔

زکوٰۃ سال میں ایک مرتبہ فرض ہے، لیکن نفلی صدقہ جب چاہے ادا کردیں۔ لیکن یہ دونوں عبادتیں ایسی ہیں کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے دن بھی اور وقت بھی مقرر فرمادیا ہے۔

ان ایام اور اوقات کے علاوہ دوسرے ایام اور اوقات میں اگر ان عبادتوں کو کیا جائے گا تو وہ عبادت ہی شمار نہیں ہوگی۔

پہلی عبادت حج ہے

حج ایک اہم جانی و مالی عبادت ہے، اس کے ایام بھی مخصوص، اسکا طریقہ کار بھی مخصوص، اسکا لباس بھی مخصوص ہے، جنگلوں بیابانوں میں ان مخصوص طریقہ کار کو ادا کرنے کا نام حج ہے، یہ عشق و محبت والی عبادت ہے جو ۸/ ذی الحجہ کو شروع ہوتی ہے اور ۱۲/ ذی الحجہ کو تکمیل کو پہنچتی ہے۔

حج کے ارکان میں مثلاً عرفات میں جا کر ٹھہرنا، مزدلفہ میں رات گزارنا، جمرات کی رمی کرنا وغیرہ یہ ارکان و اعمال ایسے ہیں کہ اگر انہی ایام میں انجام دیے جائیں تو عبادت ہے اور دنوں میں اگر کوئی شخص عرفات میں جا کر دس دن بھی ٹھہرے تو یہ کوئی عبادت نہیں۔

جمرات سال بھر کے بارہ مہینے منیٰ میں کھڑے ہیں۔ لیکن دوسرے ایام میں کوئی شخص جا کر ان کو کنکریاں مار دے تو یہ کوئی عبادت نہیں۔ تو حج جیسی اہم عبادت کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان ہی ایام کو مقرر فرما دیا ہے کہ اگر افعالِ حج ان ایام میں انجام دو گے تو عبادت ہوگی، اور اس پر ثواب ملے گا۔

دوسری عبادت قربانی ہے

قربانی کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے ذی الحجہ کے تین دن یعنی دس گیارہ اور بارہ تاریخ مقرر فرما دی ہیں۔ ان ایام کے علاوہ اگر کوئی شخص قربانی کی عبادت کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔ البتہ اگر کوئی شخص صدقہ کرنا چاہے تو بکرا ذبح کر کے اس کا گوشت صدقہ کر سکتا ہے، لیکن یہ قربانی کی عبادت ان تین دنوں کے سوا کسی اور دن میں انجام نہیں پا سکتی، لہٰذا اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس زمانے کو یہ امتیاز بخشا ہے۔ اسی وجہ سے علماء کرام نے ان احادیث کی روشنی میں یہ لکھا ہے کہ رمضان

المبارک کے بعد سب سے زیادہ فضیلت والے ایام عشرہ ذی الحجہ کے ایام ہیں، ان میں عبادتوں کا ثواب بڑھ جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ان ایام میں اپنی خصوصی رحمتیں نازل فرماتے ہیں، لیکن کچھ اور اعمال خاص طور پر ان ایام میں مقرر کر دیئے گئے ہیں، ان کا بیان کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

چاند دیکھ کر بال اور ناخن نہ کاٹنے کا حکم

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ وَاَرَادَ بَعْضُكُمْ اَنْ يُّضَحِّيَ فَلَا يَاْخُذَنَّ شَعْرًا وَلَا يَقْلِمَنَّ ظُفْرًا (رواه مسلم)

”اُمّ المؤمنین حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب ذی الحجہ کا پہلا عشرہ شروع ہو جائے (یعنی ذی الحجہ کا چاند دیکھ لیا جائے) اور تم میں سے کسی کا ارادہ قربانی کرنے کا ہو تو اس کو چاہیئے کہ اب قربانی کرنے تک نہ اپنے سر کے بال منڈے نہ کترے اور نہ بغل اور ناف کے نیچے کے بال صاف کرے بلکہ بدن کے کسی حصے کے بھی بال نہ کاٹے اور نہ ناخن کاٹے“

(لیکن یہ یاد رہے کہ ایسا کرنا مستحب ہے اگر کوئی اسکا اہتمام نہ کرے تو کوئی گناہ نہیں قربانی پر کوئی فرق نہیں پڑیگا۔)

فائدہ

ذی الحجہ کا چاند دیکھتے ہی جو حکم سب سے پہلے ہماری طرف متوجہ ہو جاتا ہے، وہ ایک عجیب وغریب حکم ہے، یہ وہ حکم ہے کہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے منقول ہے۔

حجاج کیساتھ تھوڑی سے شباہت اختیار کرنا

بظاہر یہ حکم بڑا عجیب وغریب معلوم ہوتا ہے کہ چاند دیکھ کر بال اور ناخن کاٹنے سے منع کر دیا گیا ہے، لیکن بات دراصل یہ ہے کہ ان ایام میں اللہ تعالیٰ نے حج کی عظیم الشان عبادت مقرر فرمائی اور مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد الحمد للہ اس وقت اس عبادت سے بہرہ اندوز ہو رہی ہے اور ہوتی رہے گی۔ اس وقت وہاں یہ حال ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیت اللہ کے اندر ایک ایسا مقناطیس لگا ہوا ہے۔ جو چاروں طرف سے فرزندانِ توحید کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے ہر لمحے ہزاروں افراد اطراف عالم سے وہاں پہنچ رہے ہیں۔ اور بیت اللہ کے

اردگرد جمع ہو رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو حج بیت اللہ کی ادائیگی کی یہ سعادت بخشی ہے، ان حضرات کے لئے یہ حکم ہے کہ جب وہ بیت اللہ شریف کی طرف جائیں تو وہ بیت اللہ کی وردی یعنی احرام پہن کر جائیں، اور پھر احرام کے اندر شریعت نے بہت سی پابندیاں عائد کر دیں۔ مثلاً یہ کہ سلا ہوا کپڑا نہیں پہن سکتے۔ خوشبو نہیں لگا سکتے، منہ نہیں ڈھانپ سکتے وغیرہ وغیرہ، ان میں سے ایک پابندی یہ ہے کہ بال اور ناخن نہیں کاٹ سکتے۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم پر جو بیت اللہ کے پاس حاضر نہیں ہیں، اور حج بیت اللہ کی عبادت میں شریک نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ کے کرم کو متوجہ فرمانے اور ان کی رحمت کا مورد بنانے کے لئے یہ فرمادیا کہ ان حجاج بیت اللہ کے ساتھ تھوڑی سی مشابہت اختیار کرلو۔ تھوڑی سی ان کی شباہت اپنے اندر پیدا کرلو اور جس طرح وہ بال نہیں کاٹ رہے ہیں تم بھی مت کاٹو۔ جس طرح وہ ناخن نہیں کاٹ رہے ہیں تم بھی مت کاٹو، یہ ان اللہ کے بندوں کے ساتھ شباہت پیدا کردی جو اس وقت حج بیت اللہ کی عظیم سعادت سے بہرہ اندوز ہو رہے ہیں، تاکہ وہ رحمتیں جو ان کے اوپر نازل ہو رہی ہیں

اس کا کچھ حصہ تمہیں بھی ان کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے کی وجہ سے عطا کر دیا جائے۔ (انشاء اللہ مشابہت کے نتیجے میں اللہ کی رحمت سے محرومی نہ ہوگی۔)

یوم عرفہ کے روزہ کی اہمیت

عن ابی قتادۃ رضی الله عنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و اٰله وسلم صیام یوم عرفة اِنّی احتسب علی اللّٰه ان یکفّر السنة الّتی بعده و السنة الّتی قبله (رواه الترمذی)

"حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ عرفہ کے دن کا روزہ اس کے بعد والے سال اور پہلے والے سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔"

فائدہ

یہ ایام اتنی فضیلت والے ہیں کہ ان ایام میں ایک روزہ ثواب کے اعتبار سے ایک سال کے روزوں کے برابر ہے۔ اور ایک رات کی عبادت شب قدر کی عبادت کے برابر ہے۔ اس سے

اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ ایک مسلمان جتنا بھی ان ایام میں نیک اعمال اور عبادات کر سکتا ہے وہ ضرور کرے۔ اور نو ذی الحجہ کا دن عرفہ کا دن ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے حجاج کے لئے حج کا عظیم الشان رکن یعنی وقوف عرفہ تجویز فرمایا جو حجاج کیلئے بڑا اہم دن ہے اللہ تعالیٰ فرشتوں پر فخر کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ فرشتو دیکھو! میرے بندے آئے ہیں غبار آلود، پریشان حال، پراگندہ بال اور جسموں کو تھکایا ہوا تم گواہ رہو میں نے انہیں بخش دیئے اور ہمارے لئے خاص اس نویں تاریخ کو نفلی روزہ مقرر فرمایا اور اس روزے کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عرفہ کے دن جو شخص روزہ رکھے تو مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات سے یہ امید ہے کہ اس کے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔

تنبیہ: بعض جگہ پر اس دن کچھ لوگ اپنے اپنے علاقہ میں بستی سے باہر میدان میں جمع ہو کر اہل عرفات کی مشابہت اختیار کر کے ذکر و دعاء میں مشغول ہوتے ہیں یہ بالکل بے اصل بات ہے اور بدعت ہے اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

صرف صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں کبیرہ نہیں

یہاں یہ بات بھی عرض کر دوں کہ بعض لوگ جو دین کا کما حقہ

علم نہیں رکھتے تو اس قسم کی جو حدیثیں آتی ہیں کہ ایک سال پہلے کے گناہ معاف ہو گئے اور ایک سال آئندہ کے گناہ معاف ہو گئے اس سے ان لوگوں کے دلوں میں یہ خیال آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایک سال پہلے کے گناہ تو معاف کر ہی دیئے اور ایک سال آئندہ کے بھی گناہ معاف فرما دیئے تو پھر سال بھر کے لئے چھٹی ہو گئی، جو چاہیں کریں، سب گناہ معاف ہیں، خوب سمجھ لیجئے جن جن اعمال کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا کہ یہ گناہوں کو معاف کرنے والے اعمال ہیں، مثلاً وضو کرنے میں ہر عضو کو دھوتے وقت اس عضو کے گناہ معاف ہو جائے ہیں، نماز پڑھنے کے لئے جب انسان مسجد کی طرف چلتا ہے تو ایک قدم پر ایک گناہ معاف ہوتا ہے، اور ایک درجہ بلند ہوتا ہے، رمضان کے روزوں کے بارے میں فرمایا کہ جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے اس کے تمام پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

یاد رکھیئے! اس قسم کی تمام احادیث میں گناہوں سے مراد گناہ صغیرہ ہوتے ہیں، اور جہاں تک کبیرہ گناہوں کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں قانون یہ ہے کہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔ ویسے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے کسی کے کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے بخش دیں وہ الگ بات ہے، لیکن قانون یہ ہے کہ جب تک توبہ نہیں کرے گا، معاف نہیں ہوں گے۔ اور پھر توبہ سے بھی

وہ گناہ کبیرہ معاف ہوتے ہیں جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہو۔

اور اگر اس گناہ کا تعلق حقوق العباد سے ہے مثلاً کسی کا حق دبالیا ہے۔ کسی کا حق مارلیا ہے کسی کی حق تلفی کرلی ہے تو اس کے بارے میں قانون یہ ہے کہ جب تک صاحبِ حق کو اس کا حق ادا نہ کردے یا اس سے معاف نہ کرالے۔ اس وقت تک معاف نہیں ہوں گے۔ لہٰذا یہ تمام فضیلت والی احادیث جن میں گناہوں کی معافی کا ذکر ہے، وہ صغیرہ گناہوں کی معافی سے متعلق ہیں، خوب یاد رکھئے۔

شب بقر عید کی فضیلت

عن ابی امامة رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال من قام لیلتی العیدین محتسباً لله لم یمت قلبه یوم تموت القلوب (ابن ماجه)

''حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے دونوں عیدوں (یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ) کی راتوں کو ثواب کا یقین رکھتے ہوئے زندہ رکھا تو اس کا دل اس دن نہ مریگا جس دن لوگوں کے دل مردہ ہوجائیں گے۔''

فائدہ

عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی شب کو زندہ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ان

راتوں کو عبادت الٰہی میں مشغول رکھے اور ذکر و تسبیح، صلہ رحمی، نیکوں کی محبت وہم نشینی میں اس وقت کو پورا کرے، یہ سب کارہائے خیر ہیں اور عبادت میں ان راتوں کو گزارے، اور یہ جو فرمایا گیا کہ

"ان راتوں میں عبادت کرنے والے کا دل مردہ نہ ہوگا۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے ہولناک اور دہشتناک دن میں جب ہر طرف خوف و ہراس اور دہشت و گھبراہٹ پھیلی ہوئی ہوگی، لوگ بدحواس اور مدہوش ہوں گے اور ان کی نشہ کی سی کیفیت ہوگی، حالانکہ انہیں نشہ قطعاً نہ ہوگا لیکن عذابِ الٰہی ایسی سخت چیز ہے جس سے لوگوں کی یہ حالت ہوگی، ایسے قیامت خیز دن میں حق تعالیٰ شانہ، اس بندہ کو پر تنعم اور باسعادت زندگی بخشیں گے، خوف و دہشت کا دور دور کوئی نشان نہ ہوگا، ہر بھلائی اس کے قدم چومے گی، اس پر رحمت ہی رحمت برستی ہوگی اور وہ بہت پرلطف اور پرمسرت زندگی میں مگن ہوگا۔

حق تعالیٰ ہمیں بھی یہ نعمت نصیب فرمائے، اس لئے عیدالاضحیٰ کی شب بڑی مبارک اور بادسعادت رات ہے اس کی قدر کرنی چاہیے اور اس کی قدردانی یہی ہے کہ اس رات کو کثرت ذکراللہ

اور درود شریف میں اور دیگر عبادات میں لگ کر گزارنی چاہیے۔

ساری رات نہ جاگ سکے تو جتنی رات آسانی سے جاگ کر عبادت کر سکے اتنا ہی کر لے کم از کم عشاء اور فجر کی نماز تو ضرور ہی تکبیر اولیٰ کے ساتھ باجماعت ادا کرے اور درمیان میں جتنی دیر ذکر و عبادت کر سکے کرے پھر سو جائے، اتنا کرنے پر بھی امید ہے حق تعالیٰ محروم نہ فرمائیں گے،

پانچ مبارک راتیں

وروی عن معاذ بن جبل رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال قال رسول الله صلی اللّٰہ علیه وسلم من احیا اللیالی الخمس، وجبت له الجنة لیلة الترویة ولیلة عرفة ولیلة النحر ولیلة الفطر ولیلة النصف من شعبان .(الاصبهانی)

''حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے (ذکر و عبادت کے ذریعہ) پانچ راتیں زندہ رکھیں اس کے لئے جنت واجب ہوگئی، (وہ پانچ راتیں یہ

ہیں) آٹھ ذی الحجہ کی رات، عرفہ کی رات، عیدالاضحیٰ کی رات، عیدالفطر کی رات، اور پندرہویں شعبان کی رات"

فائدہ

یوں تو عشرہ ذی الحجہ کی ساری راتیں بڑی مبارک اور بڑی فضیلت والی ہیں جیسا کہ پچھلی احادیث میں ان کی فضیلت بیان ہوئی، یہ ساری راتیں ایسی عظمت والی ہیں کہ خود حق تعالیٰ جل شانہ نے سورہ الفجر میں ان راتوں کی قسم کھائی ہے، پھر ان تمام راتوں میں ذی الحجہ کی آٹھویں نویں اور دسویں تاریخ کی راتیں اور بھی زیادہ اہم اور فضیلت والی ہیں، ان راتوں میں جاگ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور شب برات اور شب عیدالفطر میں بھی حق تعالیٰ کی عبادت وطاعت میں لگا رہے تو ایسے شخص کی اس محنت کا بدلہ اور صلہ حق تعالیٰ کے یہاں صرف اور صرف جنت ہے۔

سال بھر کی سینکڑوں راتوں میں صرف ان پانچ راتوں میں جاگنا اور عبادت میں لگنا کوئی بہت زیادہ کٹھن اور مشکل کام نہیں ہے، دنیا کے معمولی معمولی نفع اور فائدہ کے لئے ہم بیسیوں راتیں جاگ کر گزار دیتے ہیں، چنانچہ چوکیداری کرنے والے چند پیسوں کی

خاطر ساری رات جاگتے ہیں، کپڑا بننے والی ملوں میں ملازم تمام رات ڈیوٹی ادا کرتے ہیں، غور کرنے سے اس طرح کی اور بھی بہت سی مثالیں مل جائیں گی تو کیا آخرت کے ہولناک دن سے بچنے، پاکیزہ زندگی حاصل کرنے اور مقام جنت پانے کے لئے ہم نہیں جاگ سکتے اور عبادت نہیں کر سکتے؟ ضرور کر سکتے ہیں، تو فوراً کمر بستہ ہو جایئے، نفس وشیطان کا مقابلہ کیجئے اور ان قیمتی راتوں کو ضائع اور برباد نہ کیجئے، ذکر وتسبیح عبادت وطاعت اور دیگر کارہائے خیر سے جہاں تک ہو سکے ان مبارک راتوں کو زندہ رکھیئے!

مبارک راتوں کی ناقدری مت کیجئے

مگر افسوس ہم نے ان سب برکتوں سے اپنے آپ کو محروم کیا ہوا ہے اور نہ صرف محروم، بلکہ اس مبارک شب کو طرح طرح کی لغویات، فضول باتوں، لایعنی کاموں اور طرح طرح کے گناہوں میں گزارا جاتا ہے۔

بعض لوگ یہ مبارک رات مختلف کھیلوں میں مصروف ہو کر گزار دیا کرتے ہیں، مثلاً شطرنج، چوسر، لوڈو، کیرم بورڈ اور دیگر جدید ہار جیت والے کھیلوں میں، جن میں شطرنج اور چوسر تو حرام ہی ہیں اور باقی کھیل بھی شرائط جواز مفقود ہونے کی بناء پر ناجائز ہیں۔

بالفرض کوئی کھیل اگر جائز بھی ہو تب بھی یہ مبارک رات لہولعب کیلئے نہیں، عبادت وطاعت کیلئے ہے اس کو عبادت ہی میں مشغول رکھنا چاہیے، جائز اور مباح کھیلوں سے بھی اجتناب کرنا چاہیے۔

بعض لوگ اس مبارک رات میں بازاروں کی سجاوٹ، چمک دمک، خریداروں کی کثرت دیکھنے کے لئے بازاروں میں تفریح کرتے ہیں اور اس طرح رات کا اکثر و بیشتر حصہ ضائع کر دیتے ہیں جبکہ بازار روئے زمین پر حق تعالیٰ کے یہاں سب سے زیادہ بدتر اور مبغوض ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ بازار اکثر گناہوں کا اور بڑے بڑے گناہوں کا مرکز ہیں، اس لیے بازار میں تو تمام گناہوں سے بچتے ہوئے ضرورت کے وقت، بقدر ضرورت ہی جانا چاہئے، تو بلاضرورت بازاروں میں تفریح کرنے والے بھی طرح طرح کے گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اس طرح اس مبارک رات میں بجائے کچھ حاصل کرنے کے اور گناہوں میں مشغول ہیں، یہ بہت بڑے نقصان اور خسارے کی بات ہے۔

بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جنہیں اس شب کی عظمت وفضیلت ہی کا علم نہیں، اس لیے وہ کبھی اس رات میں ذکر وعبادت

اور تسبیح و مناجات کی طرف متوجہ نہیں ہوتے ،اس طرح وہ اپنی
جہالت و نادانی سے بیسیوں راتیں گنوا چکے ہیں اور ان کی اس جہالت
نے ،انہیں آخرت کے ثواب عظیم سے محروم کیا ہوا ہے جو بڑے ہی
خسارہ کی بات ہے ،انکی جہالت نے انہیں کتنی بڑی سعادت
اور نیکیوں سے محروم کر دیا ہے دنیا کی معلومات اسکے کاروبار کی
معلومات تو ہم خوب رکھتے ہیں پر لیکن دین کی معلومات پر اتنے پیچھے
کہ نقصان پر نقصان ہو رہا ہے کوئی فکر نہیں، ہائے افسوس!

بعض لوگ جنہیں اس رات کی عظمت وفضیلت کا علم ہے ،
دین اور علم دین سے انکی نسبت ہے ،دیکھا جاتا ہے کہ وہ بھی اس
کو کوئی اہمیت نہیں دیتے ، اگر کوئی غلطی سے انہیں اس طرف توجہ
دلا دے تو فوراً یہ جواب ملتا ہے کہ ’’اس رات میں جاگنا کوئی فرض
وواجب نہیں ہے‘‘ بیشک اس رات میں جاگنا اور عبادت وغیرہ
کا اہتمام کرنا فرض وواجب نہیں لیکن کیا یہ عقلمندی نہیں کہ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے جن راتوں کی اہمیت فضیلت ذکر فرمائی اس سے
بھرپور فائدہ اٹھا کر اپنی نیکیوں مں اضافہ کیا جائے اور توبہ واستغفار
کر کے اپنے آپ کو گناہوں سے پاک صاف کیا جائے اور اپنے
آپ کو اللہ کی رضا اور جنت کا مستحق بنایا جائے ایسے لوگوں
کو غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے۔

بعض تاجر اس رات میں دنیاوی مصروفیت کو کم کرنے کی بجائے اور بڑھا لیتے ہیں اور اس میں اس قدر منہمک اور مصروف ہوتے ہیں کہ بسا اوقات اس دُھن میں فرض نمازیں بھی قربان ہو جاتی ہیں۔

اور عظیم رات کی رحمتوں اور برکتوں سے اپنے آپ کو محروم کر لیتے ہیں جو بہت افسوس کی بات ہے بہت ہی مجبوری ہے تو ایسے مجبور شخص کیلئے علماء نے لکھا ہے کہ کم از کم عشاء کی نماز اور باجماعت ادا کرے اور پھر فجر کی نماز باجماعت ادا کرے تو کچھ نہ کچھ کسی نہ کسی درجہ میں انشاء اللہ یہ بھی محرومی سے بچ جائیگا اور اس شب کی فضیلت کچھ نہ کچھ حاصل ہو ہی جائیگی لیکن دل میں ندامت اور شرمندگی بھی رہے اور اللہ سے دل ہی دل میں توبہ واستغفار کرتا رہے کہ اے اللہ ایسا ہونا نہیں چاہیے لیکن یہ غلط کام ہو رہا ہے تو مجھے معاف فرما دے ،انشاء اللہ اسکی یہ ندامت بہت کام آئیگی۔

رحمتیں برکتیں حاصل کرنے کی آسان صورت

خلاصہ یہ ہے کہ رمضان المبارک کے بعد ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن اور ان کی راتیں بڑی مبارک ہیں اور آخرت کمانے کا بہترین سیزن ہیں ،بندہ مومن جس کی زندگی کا مقصد صرف حق تعالٰی کی رضا اور حصول جنت ہے،اس کے لئے یہ بہت ہی نادر موقع

ہے جو حق تعالیٰ نے محض اپنی رحمت سے عطا فرمایا ہے، ان ایام اور مبارک لیل ونہار کو بے حد غنیمت سمجھا جائے اور ہر شخص اپنی طاقت کے مطابق ان ایام میں زیادہ سے زیادہ عبادت وطاعت، ذکر وتلاوت، تسبیح ومناجات اور توبہ واستغفار کا اہتمام کرے، اور زیادہ نفلی عبادت وطاعت نہ کر سکے تو کم از کم گناہوں سے تو اپنے کو دور ہی رکھے اور تمام رات کوئی نہ جاگ سکے تب بھی کچھ حرج نہیں، آسانی اور بشاشت کیساتھ جتنی دیر جاگ کر عبادت کر سکے اتنا ہی کر لے اور ادنیٰ درجہ میں اتنا تو ضرور ہی کر لیا جائے کہ عشاء اور فجر کی نماز باجماعت مع تکبیر اولیٰ کے ادا کرے اور درمیان میں کسی وقت، اگر شب کا آخری حصہ ہو تو زیادہ بہتر ہے، تھوڑی دیر عبادت کر کے دعا اور مناجات کرے، اللہ تعالیٰ سے اس شب کی رحمتیں اور برکتیں مانگے اور توبہ واستغفار کرے حق تعالیٰ کی رحمت واسعہ سے قوی امید ہے کہ وہ اپنے ضعیف اور کمزور بندوں سے اتنا بھی قبول فرمالیں گے اور محروم نہ فرمائیں گے۔

تکبیر تشریق کے احکام

تکبیر تشریق کسے کہتے ہیں؟

تکبیر تشریق:

اَللهُ اَکبَر اَللهُ اَکبَر لَااِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَکبَر اَللهُ اَکبَر وَلِلّٰهِ الحَمد.

کو کہتے ہیں۔

تکبیر تشریق کب سے کب تک پڑھیں

عرفہ کا دن یعنی ذی الحجہ کی نویں تاریخ کی فجر سے ذی الحجہ کی تیرہ تاریخ کی عصر تک ہر فرض نماز کے بعد فوراً متوسط بلند آواز سے ایک مرتبہ تکبیر تشریق پڑھنا واجب ہے۔ البتہ عورتیں یہ تکبیر آہستہ آواز سے کہیں تاہم حساب سے یہ کل بتیس نمازیں ہوتی ہیں جن کے بعد تکبیر تشریق کہنا واجب ہے اور ان پانچ دنوں کو جن میں یہ تکبیریں کہی جاتی ہیں ''ایامِ تشریق'' کہتے ہیں (درمختار) یہ تکبیریں ہر شخص پر واجب نہیں ہیں ان کے واجب ہونے کی کچھ شرطیں ہیں۔

تکبیر تشریق واجب ہونے کی شرطیں

تکبیر تشریق واجب ہونے کے لئے درج ذیل تین شرطیں ہیں اگر یہ تینوں شرطیں کسی شخص میں موجود ہوں تو ایام تشریق میں اس پر تکبیر تشریق واجب ہے، اگر ان میں سے ایک شرط بھی نہ پائی جائے

تو تکبیر تشریق واجب نہیں۔ (ہدایہ)

۱۔ مقیم ہونا، مسافر پر تکبیر تشریق واجب نہیں۔

۲۔ شہر ہونا، گاؤں، گوٹھ والوں پر تکبیر تشریق واجب نہیں۔

۳۔ جماعت مستحبہ کا ہونا، اکیلے نماز پڑھنے والوں پر اور تنہا عورتوں کا باجماعت نماز ادا کرنے سے ان پر تکبیر تشریق واجب نہیں۔

شرائط کی ضروری تشریح

پہلی شرط کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کسی جگہ مقیم ہوں جیسے اپنے وطن اصلی میں ہوں یا مسافر نے کسی جگہ جہاں اقامت کی نیت معتبر ہوتی ہو کم از کم پندرہ دن قیام کی نیت کر لی ہو اور باقی دو شرطیں بھی موجود ہوں تو اس پر ایام تشریق میں تکبیر تشریق واجب ہے ،مسافر شخص پر تکبیر تشریق واجب نہیں ہے خواہ وہ الگ نماز پڑھے یا اپنے ہی جیسے کسی مسافر امام کی اقتداء میں نماز باجماعت ادا کرے اور اگر چہ یہ مسافر یا مسافروں کی جماعت کسی شہر میں ہو اور اپنی جماعت کریں ،ان پر بہر حال تکبیر تشریق واجب نہیں ،البتہ اگر یہ مسافر یا مسافرین کسی مقیم امام کی اقتداء میں شہر یا قصبہ میں نماز باجماعت ادا کریں تو پھر ان پر بھی امام کے تابع ہو کر تکبیر تشریق

واجب ہو جائے گی۔

دوسری شرط کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ جمعہ وعیدین کیلئے شہر یا قصبہ ہونا شرط ہے، کسی چھوٹے گاؤں گوٹھ میں جمعہ وعیدین جائز نہیں، اس لئے ان کے باشندوں پر تکبیر تشریق بھی ایام تشریق میں واجب نہیں، اگر چہ گاؤں والے اپنی فرض نماز باجماعت ادا کریں، البتہ اگر یہ لوگ کسی شہر یا قصبہ میں آ کر مقیم امام کی اقتداء میں نماز باجماعت ادا کریں تو امام کے تابع ہو کر ان پر بھی تکبیر تشریق واجب ہو جائے گی۔

تیسری شرط کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا دو شرطوں کے ساتھ تکبیر تشریق واجب ہونے کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ ایام تشریق میں جن جن فرض نمازوں کے بعد تکبیر کہنا واجب ہوتا ہے ان فرض نمازوں کو باجماعت ادا کیا گیا ہو اور وہ جماعت بھی مستحب جماعت ہو، مکروہ جماعت نہ ہو، مثلاً کسی مرد امام کی اقتداء میں باجماعت وہ فرض ادا کیا گیا ہو تو اس جماعت کے شریک تمام مقتدیوں پر امام سمیت تکبیر تشریق واجب ہوگی، لیکن اگر باوجود پہلی دو شرطوں کے پائے جانے کے کسی شخص نے ایام تشریق کی فرض نمازیں کل یا بعض بغیر جماعت کے تنہا ادا کیں تو اس پر تنہا ادا کی جانے والی نمازوں کے

بعد تکبیر تشریق واجب نہیں ہوگی، اسی طرح اگر تنہا عورتوں نے مل کر کسی عورت ہی کو امام بنا کر اس کی اقتداء میں کوئی فرض نماز باجماعت ادا کی تو ان پر بھی تکبیر تشریق واجب نہیں ہوگی، کیونکہ عورتوں کی جماعت، جماعت مستحبہ نہیں ہے بلکہ مکروہ تحریمی ہے، اسی طرح اگر عورتیں الگ الگ نمازیں ادا کریں تب بھی ان پر تکبیر تشریق واجب نہیں، البتہ اگر شہر یا قصبہ میں عورتیں کسی مقیم مرد امام کی اقتداء میں فرض نمازیں باجماعت ادا کریں اور امام نے ان کی اقتداء کی نیت بھی کر لی ہو تو جو نمازیں وہ امام کی اقتداء میں ادا کریں ان نمازوں کے بعد ان پر بھی امام کے تابع ہو کر تکبیر تشریق واجب ہو جائے گی، لیکن عورتوں کو مساجد میں جا کر مردوں کی جماعت میں شریک ہو کر نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے، مکروہ تحریمی ہے (بحر و شامی)

ایک ضروری وضاحت

ایام تشریق میں تکبیر تشریق واجب ہونے کے لئے جو شرائط اوپر ذکر کی گئی ہیں یہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہیں اور اکثر علماء اور فقہاء رحمہم اللہ نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک ہی کو ترجیح دی ہے اور روایت اور درایت دونوں لحاظ سے امام صاحب رحمۃ

اللہ علیہ کے قول ہی کو زیادہ قوی قرار دیا ہے (امداد الاحکام)

لیکن حضرات صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک تکبیر تشریق واجب ہونے کے لئے ان شرائط بالا میں سے کوئی شرط لازم نہیں ہے، ان کے نزدیک ایام تشریق میں تکبیر تشریق امام، مقتدی، مسبوق، منفرد، شہری، دیہاتی، مقیم، مسافر، مرد اور عورت سب پر واجب ہے اور بعض فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے صاحبین رحمہم اللہ کے قول پر بھی فتویٰ دیا ہے اور ان کے قول پر عمل کرنا زیادہ بہتر اور بڑی احتیاط کی بات ہے۔ اس لئے مذکورہ بالا تمام افراد کو ایام تشریق میں ہر فرض نماز کے بعد تکبیر تشریق کہہ لینی چاہیے۔ (امداد الاحکام)

تکبیر تشریق بھول جانے کا حکم

تکبیر تشریق ہر فرض نماز کے بعد فوراً کہنی چاہیے اگر کوئی شخص اس وقت کہنا بھول جائے یا جان بوجھ کر نماز کے منافی کوئی کام کرے مثلاً قہقہہ مار کر ہنس پڑے یا کوئی بات کرلے خواہ جان کر یا بھول کر یا مسجد سے چلا جائے، تو پھر تکبیر تشریق نہ کہنی چاہئے اور اس کی قضا بھی نہیں ہے، ہاں توبہ کرنے سے تکبیر تشریق چھوڑنے کا گناہ معاف ہوجائے گا لہٰذا توبہ

کر لے اور آئندہ خیال رکھے البتہ اگر کسی شخص کا وضو نماز کے فوراً ٹوٹ جائے تو بہتر یہ ہے کہ اسی حالت میں فوراً تکبیر کہہ لے وضو کرنے نہ جائے اور اگر وضو کر کے کہے تب بھی کہہ لینا جائز ہے (علم الفقہ وفتاوی دار العلوم مدلل)

اگر امام تکبیر کہنا بھول جائے

اگر کسی نماز کے بعد امام تکبیر تشریق کہنا بھول جائے تو مقتدیوں کو چاہیے کہ فوراً تکبیر کہہ دیں یہ انتظار نہ کریں کہ جب امام کہے تب وہ کہیں (درمختار)

تکبیر تشریق کتنی بار کہیں

تکبیر تشریق ہر فرض نماز کے بعد صرف ایک مرتبہ کہنے کا حکم ہے اور صحیح قول کے مطابق ایک سے زیادہ مرتبہ کہنا خلاف سنت ہے۔(شامی وفتاوی دار العلوم مدلل)

عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد تکبیر تشریق کا حکم

عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد تکبیر تشریق کہنے نہ کہنے میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک کہہ لینا واجب ہے، (درمختار و بہشتی گوہر)

تکبیرِ تشریق کی ابتداء

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے لاڈلے بیٹے حضرت اسماعیل

علیہ السلام کو اللہ کے حکم سے ذبح کر رہے تھے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام جنت سے ان کا فدیہ (بدل) لے کر پہنچے اور انہیں خطرہ ہوا کہ کہیں جلدی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح نہ کر ڈالیں چنانچہ اس وقت ان کی زبان پر یہ کلمات آئے،

اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر.

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا تو بول پڑے:

لا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر.

اور جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کو فدیہ آنے کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا:

اللّٰہ اکبر ولِلّٰہ الحمد.

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہی کلمات منقول ہیں۔

(درمختار ص ۹۸ ے جلد اول بحوالہ طحطاوی)

ہر فرض نماز کے بعد تکبیر تشریق پڑھیے

نویں ذی الحجہ کی نماز فجر سے شروع ہو کر ۱۳ تاریخ کی عصر تک جاری رہتی ہے اور یہ تکبیر ہر پنجگانہ فرض نماز کے بعد ہر مرد و عورت پر ایک مرتبہ پڑھنا واجب قرار دیا گیا ہے، وہ تکبیر یہ ہے:

اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر، لا الہ الا اللّٰہ و اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر وللّٰہ الحمد.

مردوں کے لئے اسے متوسط بلند آواز سے پڑھنا واجب ہے، اور آہستہ آواز سے پڑھنا خلاف سنت ہے، اور عورتوں کیلئے آہستہ آواز سے پڑھنا واجب ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۴، شامی ج ۲)

گنگا الٹی بہنے لگی ہے

ہمارے یہاں ہر چیز میں ایسی الٹی گنگا بہنے لگی ہے کہ جن چیزوں کے بارے میں شریعت نے کہا ہے کہ آہستہ آواز سے کہو ان چیزوں میں تو لوگ شور مچا کر بلند آواز سے پڑھتے ہیں مثلاً دعا کرنا ہے، قرآن کریم میں دعا کے بارے میں فرمایا کہ:

أُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً.

(سورة الاعراف : ۵۵)

''یعنی آہستہ اور تضرع کے ساتھ اپنے رب کو پکارو اور آہستہ دعا کرو۔''

چنانچہ جہاں زور سے دعا مانگنا سنت سے ثابت ہو وہاں اسی طرح مانگنا افضل ہے) اور اسی دعا کا ایک حصہ درود شریف بھی ہے، اس کو بھی آہستہ آواز سے پڑھنا زیادہ افضل ہے۔ اس میں تو لوگوں

نے اپنی طرف سے شور مچانے کا طریقہ اختیار کرلیا اور جن چیزوں کے بارے میں شریعت نے کہا تھا کہ بلند آواز سے کہو مثلاً تکبیر تشریق، جو ہر نماز کے بعد بلند آواز سے کہنی چاہیے، لیکن اس کے پڑھنے کے وقت آواز ہی نہیں نکلتی، اور آہستہ سے پڑھنا شروع کردیتے ہیں۔

شوکت اسلام کا مظاہرہ کیجئے

یہ تکبیر تشریق رکھی ہی اس لئے گئی ہے کہ اس سے شوکت اسلام کا مظاہرہ ہو اور اس کا تقاضہ یہ ہے کہ سلام پھرنے کے بعد مسجد اس تکبیر سے گونج اٹھے، لہٰذا اس کو بلند آواز سے کہنا ضروری ہے۔

اسی طرح عید الاضحی کی نماز کے لئے جا رہے ہوں تو اس میں بھی مسنون یہ ہے کہ راستے میں متوسط بلند آواز سے تکبیر کہتے جائیں، البتہ عید الفطر میں آہستہ آواز سے کہنی چاہیئے۔

تکبیر تشریق خواتین بھی پڑھنے کا اہتمام کریں

صاحبین کے قول کے مطابق چونکہ یہ تکبیر تشریق خواتین کے لئے بھی مشروع ہے اور اس میں عام طور پر بڑی کوتاہی ہوتی ہے، اور

خواتین کو یہ تکبیر پڑھنا یاد نہیں رہتا۔ مرد حضرات تو چونکہ مسجد میں جماعت سے نماز ادا کرتے ہیں، اور جب سلام کے بعد تکبیر تشریق کہی جاتی ہے تو یاد آ جاتا ہے اور وہ کہہ لیتے ہیں، لیکن خواتین میں اس کا رواج بہت کم ہے، اور عام طور پر خواتین اس کو نہیں پڑھتیں، اگر چہ خواتین پر واجب ہونے کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں، بعض علماء کہتے ہیں کہ واجب ہے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ خواتین پر واجب نہیں بلکہ صرف مستحب ہے مردوں پر واجب ہے لیکن ظاہر ہے کہ احتیاط اسی میں ہے کہ عورتیں بھی پانچ روز تک یوم عرفہ کی فجر سے ۱۳ تاریخ کی عصر تک ہر نماز کے بعد یہ تکبیر کہیں البتہ مردوں پر تو بلند آواز سے کہنا واجب ہے اور خواتین کو آہستہ آواز سے کہنا چاہئے، لہٰذا خواتین کو بھی اس کی فکر کرنی چاہئے۔ اور خواتین کو یہ مسئلہ بتانا چاہئے اور چونکہ خواتین کو اس کا پڑھنا یاد نہیں رہتا۔ اس لئے خواتین گھر میں جس جگہ نماز پڑھتی ہیں، وہاں یہ دعا لکھ کر لگائیں، تاکہ ان کو یہ تکبیر یاد آ جائے اور سلام کے بعد کہہ لیں۔

مسئلہ: تکبیر تشریق اگر اس وقت چھوٹ گئیں تو پھر ان کی قضاء نہیں ہے توبہ کرنے سے گناہ اس کے ترک کا معاف ہو جائے گا۔ (فتاویٰ دار العلوم ج ۵)

مسئلہ: فتویٰ اس پر ہے کہ باجماعت نماز پڑھنے والے اور تنہا نماز پڑھنے والے اس میں برابر ہیں، اسی طرح مرد و عورت دونوں پر واجب ہے، البتہ عورت با آواز بلند تکبیر نہ کہے آہستہ کہے۔ (شامی)

مسئلہ: اس تکبیر کا متوسط بلند آواز سے کہنا ضروری ہے، بہت سے لوگ اس میں غفلت کرتے ہیں، یا تو پڑھتے ہی نہیں، یا آہستہ پڑھ لیتے ہیں، اس کی اصلاح ضروری ہے۔ (جواہر الفقہ ص ۴۴۶ ج ۱)

اللہ تعالیٰ ہمیں عشرِ ذی الحجہ سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اسٹاکسٹ
مکتبہ حمادیہ کراچی
شاہ فیصل کالونی نمبر 2 کوڈ نمبر 75230 فون نمبر 34572537